ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ ۔ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ
جولائی ۔ ستمبر ۲۰۱۹ء

سہ ماہی حکمتِ قرآن لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مُنتخباتِ

بیانُ القرآن

از

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی مضامین کے گلہائے رنگا رنگ
پر مشتمل ایک خوبصورت گل دستہ

● امپورٹڈ آفسٹ پیپر ● معیاری طباعت ● مضبوط جلد
● صفحات: 437 ● قیمت: 800 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3
Email:maktaba@tanzeem.org

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
(البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۸ شمارہ ۳

ذُوالقعدہ ۱۴۴۰ھ۔ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ جولائی۔ ستمبر ۲۰۱۹ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۔ ڈاکٹر اسرار احمد ؒ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر : حافظ عاطف وحید
نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ مؤمن محمود
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
ای میل: publications@tanzeem.org
سالانہ زرِ تعاون: 280 روپے، فی شمارہ: 70 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل

غلطی ہائے مضامین اور کرنے کا اصل کام حافظ عاطف وحید 3

تذکّر و تدبّر

مِلاکُ التأویل (۱۸) ابوجعفر احمد بن ابراہیم الغرناطی 16

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح افاداتِ حافظ احمد یارؒ 31

فکر و نظر

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ (۳) پروفیسر حافظ احمد یارؒ 41

حُسنِ معاشرت

بیوی کے حقوق وفرائض پروفیسر حافظ قاسم رضوان 58

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ 73

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN Dr. Israr Ahmad 96

* * *

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلطی ہائے مضامین اور کرنے کا اصل کام

غلطی ہائے مضامین کی تاریخ تلبیسِ ابلیس کے قدیمی ایجنڈے سے تو جڑی ہے ہی، جدیدیت سے اس کا علاقہ کہیں زیادہ عمیق اور ہمہ گیر ہے۔ عزازیلِ لعین کا دعویٰ کہ ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ'' اپنی نوعیت میں ''نالے کو رسا باندھنے'' کی سب سے عظیم اور نمایاں کوشش تھی۔ قابیل بھی مضمونِ خیال کی غلطی نہ بھانپ سکا اور حرمتِ جان کے خدائی ضابطے کو پائمال کر کے کل انسانیت کے قتلِ ناحق کا وبال اپنے سر لے بیٹھا۔ فرعونِ مصر کے خیال کی غلطی کو حضرات انبیائے بنی اسرائیل کسی طور سے درست نہ کر سکے، یہاں تک کہ اسے موت کے فرشتے نے آن دبوچا۔ عمرو بن ہشام نے مضمون کی غلطی کو صاف محسوس بھی کر لیا تھا لیکن احساسِ تفوّق نے باطل کی حمایت میں جان دینے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بتائی گئی خبروں کے مطابق امت میں پیدا ہونے والے دجّالوں، کذّابوں، عرافوں اور فتنہ گر فرقوں کا بنیادی مسئلہ بھی یہی ہے۔ فرقہ پرستی کی بنیاد مضامین کی یہی غلطی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآنی تنبیہات ''وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ'' سے استغناء اور احادیثِ مبارکہ میں بیان کردہ بشارتوں ''فَلَہٗ اَجْر'' اور ''فَلَہٗ اَجْرَان'' سے یکسر صرفِ نظر آخر کس بات کی علامات ہیں؟ (۱)

دورِ جدید کے فتنوں میں سب سے خطرناک فکری غلطی shift of emphasis کی صورت میں پیدا ہوئی۔ توجہات کا ارتکاز خالقِ کائنات کے بجائے کائنات پر، روح کے بجائے جسم اور مادّے پر اور حیاتِ ابدی کے بجائے حیاتِ فانی پر ہوتا چلا گیا، جس سے جدیدیت کی دجالی صفات ظاہر ہوئیں۔ خودنمائی، خوش فہمی، ظاہر پرستی، مادّیت اور سطحیت نے اصل دین، وحی، اتباعِ سنت، اخلاقیات اور رجالِ دین کا تقدس نابود کر کے رکھ دیا۔

اسی طرزِ فکر کا ایک مظہر یہ ہے کہ احیائی دینی تحریکات میں ایسی کشاکش پیدا کی گئی کہ گاہے ماہے ''اَنَا وَلَا غَیْرِی'' بلکہ ''اَنَا الْحَقّ'' کے غلغلے بلند ہونے لگیں۔ ایک جانب مقتدی اپنے اپنے مقتداء کی آراء و اجتہادات کو یوں پیش کرنا اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں گویا کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول ﷺ ہو۔ دوسری طرف، یہ غلطی ہائے مضامین کی علامات نہیں تو اور کیا ہے کہ فیس بک (اور سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع) پر براجمان نیم حکیم بلکہ جہل مرکب تہمت و افتراء کے ذریعے انتشارِ باہمی کا ذریعہ بننے کو باعثِ فخر و نجات تصور کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے رجوع الی القرآن بلاشبہ اہم ترین کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ

---

(۱) عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أنّہ سَمِعَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ یقول: ((إِذَا حَکَمَ الحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَہُ اَجْرَانِ، وَإِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَہُ اَجْرٌ))

اس امر پر دلیلِ قاطع کی حیثیت رکھتی ہیں(۲)۔ پاکستان میں رجوع الی القرآن کی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد رحمہُ اللہ کی خدماتِ قرآنی کے حوالے کے بغیر نامکمل اور بے معنی رہے گی۔ خود ڈاکٹر صاحبؒ کے مطابق برصغیر میں دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک کا آغاز شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کی مساعیٔ جمیلہ سے ہوا تھا (تفصیلات کے لیے

---

(۲) داعی رجوع الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے اپنے دروس وخطابات میں ان احادیثِ نبویہ ﷺ کو بہ تکرار و اعادہ بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں یہاں دو حدیثیں نقل کی جارہی ہیں:

ا) عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ : اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ)) قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ؟ قَالَ : ((کِتَابُ اللّٰہِ، فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ، ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ، مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ ، وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ ، وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ ، وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ ، وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ، ھُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ ، وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ ، وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ، ھُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا: ﴿**اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ**﴾ مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ)) (سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل القرآن۔ وسنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آگاہ ہو جاؤ' ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے!'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ! اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں' اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں' اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے۔ (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے' وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا!) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا' اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی! قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی (یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ) ہے! اور محکم نصیحت نامہ ہے' اور وہی صراط مستقیم ہے' وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں' اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی زبانوں کی راہ سے اس میں تحریف ممکن نہیں!) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے' اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا' اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے: ''ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے' رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی' پس ہم اس پر ایمان لے آئے''۔ جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی' اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا' اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا' اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی!''

ب) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ ھٰذا الْقُرآنَ مَأْدُبَۃُ اللّٰہِ، فَتَعَلَّمُوا مَأْدُبَتَہُ مَا اسْتَطَعْتُم، وإِنَّ ھٰذا الْقُرآنَ ھو حبلُ اللّٰہِ، وھو النُّورُ المُبینُ، والشِّفاءُ النافِعُ، عِصْمَۃٌ مَن تَمَسَّكَ بہ، ونَجاۃٌ مَن تَبِعَہُ، لا یَعْوَجُّ فیُقَوَّمُ، ولا یَزِیغُ فیُسْتَعْتَبُ، ولا تَنْقَضِی عجائبُہ، ولا یَخْلَقُ عن کَثْرَۃِ الرَّدِّ، اتلُوہُ فإِنَّ اللّٰہَ یأجُرُکم علی تِلاوتِہ بکلِّ حرفٍ عَشْرُ حسناتٍ، أَمَا إِنِّی لا أقول ب الٓمّ حَرْفٌ، ولکن بالألفِ عَشْرًا وباللامِ عَشْرًا وبالمیمِ عَشْرًا)) [السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی ۲/۲۶۴، مجمع الزوائد للھیثمی ۷/۱۶۶، الترغیب والترھیب للمنذری ۲/۳۰۲]

◀

ملاحظہ کیجئے اداریہ حکمت قرآن، جنوری تا مارچ ۲۰۱۵ء، از ڈاکٹر حافظ محمد زبیر)۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ’’اس عمل کا آغاز جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اٹھارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن مجید کے فارسی ترجمے اور ’الفوز الکبیر فی اصول التفسیر‘ کی تالیف سے کیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں اُن کے دو صاحبزادوں، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے علی الترتیب لفظی و بامحاورہ اُردو ترجمے شائع ہوئے (شاہ رفیع الدینؒ کا ۱۸۰۵ء میں اور شاہ عبدالقادرؒ کا ۱۸۱۰ء میں)۔‘‘ (اسرار احمد، ڈاکٹر، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۴)

پس رجوع الی القرآن کی تحریک کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا، لیکن اگلی صدی یعنی انیسویں صدی عیسوی میں رجوع الی القرآن کی یہ دعوت سیاسی شکست و ریخت اور عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظروں کے سبب سے دب گئی، یہاں تک کہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں پوری شدت کے ساتھ دوبارہ بیدار ہوئی اور اس میں اہلِ حق کے ساتھ کچھ گمراہ فرقوں نے بھی حصہ لیا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ بیسویں صدی عیسوی کے رُبع اوّل کے نمایاں کام کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’(۱) سب سے پہلے سر سید احمد خان مرحوم نے ۱۸۷۵ء میں اپنے ہفت روزہ اخبار ’تہذیب الاخلاق‘ میں تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو گیارہ سال میں پندرہ پاروں تک پہنچ کر رک گیا۔ (۲) ۱۹۰۳ء میں ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ شائع ہوا۔ (۳) ۱۹۰۶ء میں مرزا حیرت دہلوی کا ترجمہ شائع ہوا۔ (۴) ۱۹۱۰ء میں مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمہ شائع ہوا۔ (۵) ۱۹۰۵ء میں مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تفسیر شائع ہوئی۔ (۶) ۱۹۱۱ء میں مرزا ابوالفضل ایرانی (شیعہ) نے انگریزی میں ترجمہ شائع کیا۔ اس کو دیکھ کر نواب عماد الملک بلگرامی نے اس سے بہتر ترجمہ شروع کیا، لیکن سولہ پاروں تک ہی پہنچ پائے تھے کہ فوت ہو گئے، لہٰذا یہ نامکمل رہ گیا اور شائع نہ ہو سکا۔ (۷) ۱۹۰۶ء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن لکھنی شروع کی جو ۱۹۱۵ء میں مکمل ہوئی۔ (۸) ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کا ترجمہ مع مختصر حواشی شائع ہوا (حواشی سورۃ النساء تک حضرت شیخ الہندؒ کے ہیں اور باقی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے)۔ (۹) ۱۹۱۷ء میں محمد علی لاہوری [احمدی] کا انگریزی ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی شائع ہوا۔ (اسے اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ ۱۹۲۰ء تک کل تین برس میں اس کے تیس ہزار نسخے فروخت ہو گئے!) (۱۰) ۱۹۲۲ء میں محمد علی لاہوری ہی کی اُردو تفسیر شائع ہوئی، اس کا نام بھی ’بیان القرآن‘ ہی ہے۔‘‘ (ایضاً: ص ۱۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان (عطیہ و نعمت) ہے، پس جہاں تک ممکن ہو اس کی دعوت قبول کرو۔ بے شک یہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی رسی ہے، یہی چمکتا دمکتا نور اور (ہر روگ و پریشانی کا) نفع بخش علاج ہے۔ جو اس پر عمل کرے اس کے لیے (باعث) حفاظت اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے (باعثِ) نجات ہے۔ یہ جھکتا نہیں کہ اس کو کھڑا کرنا پڑے، ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ سیدھا کرنا پڑے۔ اس کے عجائب (رموز و اَسرار، نکات و حکم) کبھی ختم نہ ہوں گے اور بار بار کثرت سے پڑھتے رہنے سے کبھی پرانا نہیں ہوتا (یعنی اس سے دل نہیں بھرتا)۔ پس اس کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت پر تمہیں ہر حرف کے عوض دس نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔ یاد رکھو! میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف پر دس، لام پر دس اور میم پر دس (گویا صرف الم پڑھنے سے ہی تیس نیکیاں مل جاتی ہیں)۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا یہ بھی کہنا تھا کہ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں رجوع الی القرآن کی جو عظیم تحریک برپا ہوئی، یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جنہیں ہم متجدّدین (Modernist) کا نام دے سکتے ہیں اور دوسری طرف روایت کی حفاظت کرنے والے (Traditionalist) اہلِ علم تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد، فکرِ قرآنی کے پانچ سوتوں کا تعارف کرواتے ہوئے ان میں سے ایک دھارے کو گمراہ کن افکار کا منبع اور سرچشمہ سمجھتے ہیں:

> ''چنانچہ متذکرہ بالا تراجم وتفاسیر کو بنیادی طور دو گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک متجددانہ رنگ کی حامل تفاسیر جن کے ضمن میں سرسید احمد خان مرحوم کی تفسیر کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے...... چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر یا بالفاظِ دیگر 'فکرِ قرآنی' کے میدان میں خواہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی چکڑالویت ہو خواہ محمد علی لاہوری کی لاہوریت' اور خواہ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کی مشرقیت ہو خواہ چودھری غلام احمد پرویز کی پرویزیت' یہ سب فکرِ سرسید ہی کی شاخیں ہیں......اور ہم انہیں ضلالت وگمراہی کے مختلف رنگ (shades) سمجھتے ہیں۔'' (ایضاً: ص۱۱۶۔۱۱۷)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ متجدّدین کی اس قرآنی فکر کو thesis کا نام دیتے ہیں جس کے ردّعمل میں فطری طور پر ایک anti-thesis وجود میں آیا جو دراصل روایتی علماء کا قرآنی فکر تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اور دوسری روایتی انداز کی راسخ العقیدہ تفاسیر جن میں حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور مولانا تھانویؒ کی تفسیر بنیادی اور اساسی اہمیت کی حامل ہیں...... مولانا تھانویؒ کی 'بیان القرآن' پر مبنی تین مزید تفسیریں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ ایک مولانا عبد الماجد دریابادی کی تفسیر جس میں تقابل ادیان اور خصوصاً بائبل ہسٹری کے ضمن میں بہت مفید مباحث ہیں' دوسری مولانا محمد ادریسؒ کاندھلوی کی تفسیر جس میں کلامی مسائل پر زیادہ توجہ کی گئی ہے اور تیسری مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر جس میں فقہی مسائل سے زیادہ اعتناء کیا گیا ہے۔'' (ایضاً: ص۱۱۶۔۱۱۷)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ متجدّدین اور روایت پسند علماء کے قرآنی فکر کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان دونوں کے ملاپ سے قرآنی فکر کے تین اور مکاتبِ فکر وجود میں آئے جنہیں ہم synthesis کہہ سکتے ہیں۔ پہلے دھارے کا منبع علامہ اقبال تھے اور اس میں فکری رنگ غالب تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ملتِ اسلامیہ ہند کے محیط میں 'فکرِ قرآنی' کے تین سوتے اور پھوٹے جنہیں مجموعی طور پر (synthesis) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا منبع اور سرچشمہ بنے علامہ اقبال مرحوم جو معروف ومتداول معنوں میں تو نہ مترجمِ قرآن تھے نہ مفسرِ قرآن' بلکہ اُن کی تعلیم بھی نہ کسی دار العلوم میں ہوئی تھی' نہ جامعہ اسلامیہ میں۔ اس کے برعکس وہ سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ اور یورپی یونیورسٹیوں کے فیض یافتہ تھے۔ بایں ہمہ قرآن حکیم کی ترجمانی کے اعتبار سے اُن کا مقام یقیناً 'رومی ثانی' کا ہے۔'' (ایضاً: ص۱۱۸)

جبکہ دوسرے قرآنی دھارے کا سرچشمہ مولانا ابو الکلام آزادؒ تھے جن کی قرآنی فکر پر دعوتی رنگ غالب تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ''برصغیر میں قرآنی فکر کا دوسرا دھارا مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی شخصیت سے پھوٹا جس پر فکر سے زیادہ دعوت کا رنگ غالب تھا۔ مولانا مرحوم مفسرِ قرآن کی حیثیت سے تو بہت بعد میں متعارف ہوئے' اس لیے

> کہ 'ترجمان القرآن' کی جلد اول ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئی' تاہم ان کے قرآن حکیم کی ترجمانی اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ کے لیے دعوتِ جہاد کا ڈنکا برصغیر کے طول وعرض میں ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء 'الہلال' اور 'البلاغ' کے ذریعے بج چکا تھا۔ اور اس ضمن میں وہ حضرت شیخ الہندؒ ایسی عظیم شخصیت تک سے خراجِ تحسین وصول کر چکے تھے۔'' (ایضاً: ص ۱۱۹)

تیسرے دھارے کے بانی مولانا حمید الدین فراہیؒ تھے کہ جن کے فکرِ قرآنی پر حکمت اور نظمِ قرآنی کی گہری چھاپ تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ''وہ عظیم شخصیت جس سے برصغیر میں دیوبند اور علی گڑھ کے مابین قرآنی فکر کا تیسرا سوتا پھوٹا' مولانا حمید الدین فراہیؒ کی ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ قدیم وجدید کا حسین ترین امتزاج ان ہی کی ذات میں ہوا۔ انہوں نے بیس سال ہی کی عمر میں اُس دور کے چوٹی کے علماء سے فارسی' عربی اور دینی علوم کی تحصیل مکمل کر لی تھی۔ اس کے بعد وہ علی گڑھ کے ماحول میں رہے اور وہاں انہوں نے انگریزی زبان اور فکرِ جدید کا مطالعہ براہ راست کیا۔ اور پھر ان کی نگاہیں قرآن حکیم پر مرتکز ہو گئیں اور انہوں نے باقی پوری زندگی 'حکمتِ قرآنی' کی گہرائیوں میں غوطے لگانے میں بسر کر دی۔'' (ایضاً: ص ۱۲۱)

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن کی تاسیس

مرکزی انجمن خدام القرآن کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ انجمن کا تاسیسی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا آغاز ان کے حلقہ ہائے مطالعہ قرآن سے ہوا جو ۱۹۶۸ء میں قائم کیا گیا تھا:

> ''۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۷ء دس سال مولانا مودودی کے ساتھ اور ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۸ء دس سال مولانا اصلاحی کے ساتھ راقم کلیتہً وکاملۃً وابستہ رہا۔ لیکن ۱۹۶۸ء میں (لگ بھگ چھتیس برس کی عمر میں) اس نے آزادی کے ساتھ اپنی ڈگر پر چلنے کا فیصلہ کر لیا...... اس نے ایک طرف حلقہ ہائے مطالعہ قرآن پر اپنی تمام تر مساعی صرف کر دیں......'' (ایضاً: ص ۱۴۳)

تقریباً تین سال کے مختصر عرصے میں یہ حلقہ ہائے قرآن کافی وسعت اختیار کر گئے اور اس کے لیے فطری طور ایک ادارے کے قیام کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ''۷۰۔۷۱ء کے دوران... ادھر راقم کے حلقہ ہائے قرآن وسعت اختیار کر گئے اور اس کے اعوان وانصار کا ایک خاصا بڑا حلقہ وجود میں آ گیا اور بالکل فطری طور پر کسی باقاعدہ ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی... یہی ضرورت تھی جس کے تحت 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے قیام کا فیصلہ ہوا۔'' (ایضاً: ص ۱۴۴)

اور بالآخر مارچ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ''اواخر ۶۷ء سے مارچ ۷۲ء تک گویا مسلسل ساڑھے چار برس راقم کی جملہ توانائیاں اور تمام اوقات دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم وتعلّمِ قرآن کی داغ بیل ڈالنے میں صرف ہوئے جس کے نتیجے میں مارچ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور وجود میں آئی۔'' (ایضاً: ص ۱۵۸)

مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام کا مقصد انجمن کی جملہ مطبوعات کے آخری صفحہ پر ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے:

> ”مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کا مقصد منبعِ ایمان اور سرچشمہ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے تاکہ اُمتِ مُسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ“

انجمن کی قراردادِ تاسیس کے وقت اس کے مؤسس اور محسن اراکین کی طرف سے اس کے قیام کے جو اغراض و مقاصد بیان کیے گئے، وہ درج ذیل ہیں:

> ”چونکہ ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کا خواب اُمتِ مسلمہ میں تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے لازم ہے کہ اوّلاً منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے... ہم چند خادمانِ کتابِ مبین ’مرکزی انجمن خدام القرآن‘ کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رہنمائی میں مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے کوشاں رہے گی: ۱۔ عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔ ۲۔ قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔ ۳۔ علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔ ۴۔ ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلیم و تعلّمِ قرآن کو مقصدِ زندگی بنا لیں۔ ۵۔ اور ایک ایسی ’قرآن اکیڈمی‘ کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔“ (دستور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۷۔ ۱۸)

ذیلی/منسلک انجمنوں کا قیام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے منہج پر ملک بھر میں کئی ایک ذیلی/منسلک انجمنیں بھی قائم کی گئیں جو بفضل اللہ تعالیٰ اپنے حلقوں میں قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔

۱۹۸۶ء میں انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن کے تحت قرآن اکیڈمی ڈیفنس اور قرآن اکیڈمی یاسین آباد کام کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مرکز کورنگی، قرآن مرکز گلستان جوہر اور قرآن مرکز لانڈھی بھی متحرک ہیں۔ ۱۰ ماہ پر محیط قرآن فہمی کورسز، شام کے اوقات میں قرآنی عربی گرامر کلاسز کا انعقاد، رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرامات، مدرسینِ قرآن کے لیے تربیتی کورسز کا انعقاد، بچوں کے لیے ناظرہ اور تجوید کی کلاسز، ہفتہ وار اور ماہنامہ بنیادوں پر دروسِ قرآن کے حلقہ جات وغیرہ اس انجمن کی نمایاں سرگرمیوں میں شامل ہیں۔ اس انجمن کی سرگرمیوں کی تفصیل ویب سائیٹ http://www.quranacademy.com سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

انجمن خدام القرآن بلوچستان کا قیام کوئٹہ میں ماہ نومبر ۱۹۸۹ء میں عمل میں آیا۔ (سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور برائے سال ۱۹۹۳ء، مرتب سراج الحق سید، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ص ۳۱) انجمن خدام القرآن پنجاب ملتان کا قیام بھی ۱۹۸۹ء میں ہی عمل میں آیا۔ (ایضاً: ص ۳۳) انجمن خدام القرآن فیصل آباد کی تشکیل ۲۶ مئی ۱۹۹۰ء کو عمل میں آئی۔ (ایضاً: ص ۳۶) انجمن خدام القرآن سرحد پشاور کی بنیاد فروری

۱۹۹۳ء میں رکھی گئی۔ (ایضاً: ص ۳۸) انجمن خدام القرآن جھنگ کی بنیاد ۱۹۹۸ء میں رکھی گئی۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۱۲۔۲۰۱۳ء‘ مرتّب محمود عالم میاں‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ ص ۴۹)

انجمن خدام القرآن جھنگ میں ہفتہ وار ترجمہ قرآن کلاسز‘ تربیتی نشست برائے خواتین‘ ہفتہ وار اور ماہانہ دروسِ قرآن مجید‘ ۲۵ روزہ کورسز‘ پھر سوئے حرم لے چل‘ وغیرہ اہم سرگرمیاں ہیں۔ (ایضاً: ص ۴۹۔۵۰) علاوہ ازیں جنوری ۲۰۰۷ء سے ایک ماہنامہ مجلّہ ’حکمت بالغہ‘ کا بھی اجراء کیا گیا۔ (ایضاً: ص ۵۱) انجمن خدام القرآن پنجاب ملتان کے تحت دورۂ ترجمہ قرآن‘ ترجمہ وتفسیر قرآن کلاس‘ خواتین کی درس قرآن کلاسز اور قرآ نک سمر کیمپس وغیرہ باقاعدگی سے منعقد کیے جاتے ہیں۔ (ایضاً: ص ۵۴۔۵۵)

انجمن خدام القرآن اسلام آباد کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا۔ (ایضاً: ص ۵۷) ۲۰۱۳ء میں راولپنڈی اور اسلام آباد دونوں جگہ ایک سالہ کورس کا آغاز کیا گیا۔ علاوہ ازیں چالیس روزہ فہمِ دین کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔ (ایضاً: ص ۵۸) انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے تحت شعور سکول سسٹم کا بھی آغاز کیا گیا۔ (ایضاً: ص ۶۱)

پاکستان میں دعوت رجوع الی القرآن کی علمی توسیع اور تحریکی پھیلاؤ میں مرکزی انجمن خدام القرآن کا کردار مسلم ہے۔ ذیل میں ہم انجمن کے کارہائے نمایاں میں سے چند ایک کا ذکر کر رہے ہیں:

حلقہ ہائے مطالعہ قرآن

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کے ساتھ ہی لاہور شہر میں معروف مقامات پر حلقہ ہائے مطالعہ قرآن قائم کیے گئے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ’’لاہور میں حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کہاں کہاں قائم رہے‘ اس کا کوئی ریکارڈ نہ تو محفوظ ہے‘ نہ ہی اس کی چنداں ضرورت ہے۔ یہ حلقے جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا‘ کرشن نگر سے شروع ہوئے۔ اور پھر دل محمد روڈ‘ سانده‘ ڈھولنوال‘ پنجاب یونیورسٹی اسٹاف کالونی‘ انجینئرنگ یونیورسٹی کے ہاسٹلز‘ ایم اے او کالج‘ میڈیکل کالج ہاسٹل کی مسجد... اور نمعلوم کہاں کہاں قائم رہے۔‘‘ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص ۱۷۲)

یہ حلقہ ہائے مطالعہ قرآنی ہفتہ وار‘ پندرہ روزہ اور ماہوار ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ’’ان میں سے بعض کے اجتماعات ہفتہ وار ہوتے تھے اور بعض کے پندرہ روزہ‘ چنانچہ جمعہ اور اتوار کے روز تو اکثر تین تین درس یا خطاب ہو جاتے تھے! پھر ان میں سے اکثر میں تو مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مکمل بیان ہوا۔ بعض میں اس کی بھی تلخیص ہی بیان ہو پائی۔‘‘ (ایضا: ص ۱۷۳)

البتہ مسجد خضراء سمن آباد اور مسجد شہداء مال روڈ دو مقامات پر ان دنوں منتخب دروس کے علاوہ مکمل قرآن مجید کے سلسلہ وار دروس کا بھی اہتمام کیا گیا۔ (ایضاً: ص ۱۷۴) جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ان قرآنی حلقوں سے کیسے کیسے جذبے اور ولولے والے داعیانِ قرآن تیار ہو رہے تھے‘ اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ان کے اس واقعے سے ہوتا ہے جو انہوں نے خود نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’ایک روز میں اسلام آباد ایئرپورٹ کے لاؤنج میں پرواز کی روانگی کے انتظار میں تھا کہ ایک عمدہ لباس میں

> ملبوس صاحب آ کر میری برابر والی نشست پر بیٹھ گئے‘ اور مجھ سے سوال کیا: ’آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟‘ میں نے عرض کیا کہ صورت تو کچھ شناسا سی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے تعارف کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک سرکاری محکمے میں بہت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور بہت عرصہ قبل میرے مسجد خضراء سمن آباد کے درس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ پھر انہوں اپنا بریف کیس کھول کر مجھے منتخب نصاب کے ایک درس کے عربی متن کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھائیں اور بتایا کہ میرا معمول ہے کہ جب میں کہیں سرکاری دورے پر جاتا ہوں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد لوگوں کو جمع کر کے آپ کے مرتّب کردہ نصاب کے اسباق کا درس دیتا ہوں۔ اور یہ سلسلہ میں نے کئی سال سے شروع کر رکھا ہے!‘‘ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص۲۲)

اس وقت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور اس کی ذیلی/ منسلک انجمنوں کے تحت ہزاروں حلقہ ہائے قرآنی پورے ملک میں قائم ہیں۔

دارالاشاعت الاسلامیہ کا قیام

دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قائم کردہ پبلشنگ ہاؤس ’دار الاشاعت الاسلامیہ‘ کا بھی بہت اہم کردار رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ’’دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن کے دورِ اوّل کا تیسرا اہم سنگِ میل ’دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور‘ اور اس کا سلسلہ مطبوعات ہے۔ میرا یہ خالص نجی اشاعتی ادارہ اوائل ۱۹۶۶ء ہی میں قائم ہوگیا تھا۔ چنانچہ ’تحریک جماعت اسلامی‘ کا پہلا ایڈیشن بھی اسی کے زیر اہتمام اپریل ۶۶ء میں شائع ہوا۔ اور ماہنامہ ’میثاق‘ کا میرے زیر ادارت اجراء بھی اگست ۶۶ء میں اسی کے تحت ہوا۔‘‘ (ایضاً: ص۱۷۹)

اس ادارے نے اُس وقت مولانا اصلاحیؒ کی کتابیں شائع کیں جبکہ لوگ مولانا کو بھول چکے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ’’صورتِ واقعی یہ تھی کہ مولانا کو جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے دس سال بیت چکے تھے اور چونکہ اس عرصے میں کوئی ادارہ یا نئی ہیئتِ تنظیمی قائم نہیں ہوسکی تھی لہٰذا ان کی تصانیف بالفعل ’نسیاً منسیاً‘ کی مصداق بن چکی تھیں۔ اور جب دار الاشاعت الاسلامیہ نے ان کی طباعت کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا نے فرطِ جذبات میں یہ الفاظ فرمائے تھے: ’میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے دوبارہ زندہ کر دیا ہے‘۔‘‘ (ایضاً: ص۱۸۱)

اور مولانا اصلاحیؒ کی تفسیر ’’تدبرِ قرآن‘‘ کی پہلی جلد جن حالات میں اس مکتبہ نے شائع کی‘ اس کے بارے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ’’واقعہ یہ ہوا تھا کہ مولانا نے اپنی ضروریات کے لیے وقتاً فوقتاً حکیم [عبدالرحیم اشرف] صاحب سے کچھ رقوم قرض لی تھیں‘ جن کی واپسی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو رہی تھی‘ ایک بار حکیم صاحب ملاقات کے لیے آئے تو مولانا نے تفسیر کی جلد اوّل کا تصحیح شدہ مسودہ ان کے سامنے رکھ دیا‘ گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ ع ’یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر۔ اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر!‘ چنانچہ حکیم صاحب اسے لے تو گئے لیکن ان کی ’وہابیت‘ اس کی اشاعت میں حائل رہی‘ اور وقت اسی طرح گزرتا جا رہا تھا کہ میری لاہور منتقلی ہوگئی اور میں نے حکیم صاحب کی رقم ان کو ادا کر کے مسودہ حاصل کر لیا!‘‘ (ایضاً: ص۱۸۱)

رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن

۱۹۸۴ء بمطابق ۱۴۰۴ھ میں قرآن اکیڈمی لاہور میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں تراویح کی نماز کے ساتھ قرآن حکیم کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک منفرد سلسلہ شروع ہوا کہ جس میں ہر روز تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کے سیپارے کا ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کی جاتی تھی۔ اس عمل کو لوگوں میں خوب پذیرائی ملی اور اِس وقت مرکزی انجمن اور اس کی ذیلی انجمنوں کی نگرانی میں پاکستان بھر میں سینکڑوں مقامات پر تراویح کے ساتھ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کی جاتی ہے۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۱۱۔۲۰۱۲ء‘ مرتب محمود عالم میاں‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ ص ۵۶) دورۂ ترجمۂ قرآن میں اوسطاً ساڑھے تین گھنٹے روزانہ کا ’بیان القرآن‘ اور لگ بھگ دو گھنٹے کی نماز تراویح ہوتی تھیں۔ ۱۹۸۸ء میں اس دورہ کی پہلی آڈیو ریکارڈنگ ہوئی۔ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر: ص ۲۴۰) سال ۲۰۱۲ء میں قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکاء کی تعداد ۴۰۰ سے ۵۰۰ تک تھی جن میں ایک صد کے قریب خواتین تھیں۔ (سالانہ رپورٹ ۲۰۱۲۔۲۰۱۳ء‘ ص ۱۰) اس وقت بلاشبہ کراچی سے سرحد تک سینکڑوں مساجد‘ شادی ہالز اور گھروں میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں تراویح کے ساتھ قرآن مجید کے ترجمہ یا خلاصہ مضامین کے بیان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

سالانہ قرآن کانفرنسیں اور قرآنی محاضرات

۱۹۷۳ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت سالانہ کانفرنسوں کا آغاز ہوا (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر: ص ۲۱۵) جو تاحال جاری ہیں۔ ان کانفرنسوں اور محاضرات میں شامل ہونے والے اہلِ علم حضرات میں مولانا سید محمد یوسف بنوری‘ مولانا شمس الحق افغانی‘ مولانا حافظ محمد گوندلوی‘ مولانا محمد چراغ‘ مولانا عبید اللہ انور‘ مولانا سید حامد میاں‘ مولانا سید منتخب الحق قادری‘ مولانا محمد مالک کاندھلوی‘ مولانا سعید احمد اکبر آبادی‘ ڈاکٹر منظور احسن عباسی‘ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور مولانا سید ابوبکر غزنوی ؒ وغیرہ شامل ہیں۔ (ایضاً: ص ۲۱۶)

ان محاضرات میں مستقل تعاون کرنے والوں میں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی‘ مولانا محمد طاسین‘ مولانا اخلاق حسین قاسمی‘ علامہ سید غلام شبیر بخاری‘ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی‘ مولانا سعید الرحمٰن علوی‘ پروفیسر مرزا محمد منور‘ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی‘ پروفیسر حافظ احمد یار‘ حافظ نذر احمد ؒ ‘ مولانا محمد اسحاق بھٹی‘ مولانا عبد الرحمٰن مدنی‘ پروفیسر محمد اسلم‘ ڈاکٹر امان اللہ ملک اور ڈاکٹر خالد علوی شامل ہیں۔ (ایضاً: ص ۲۱۶۔۲۱۷)

قرآنی تربیت گاہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کے کل چار ماہ بعد ہی پہلی قرآنی تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں آ گیا... بعد میں ہر سال یہ تربیت گاہیں ہوتی رہی ہیں۔ (ایضاً: ص ۲۲۲) پہلی دس روزہ تربیت گاہ ۱۳ سے ۲۲ اگست مسجد خضراء سمن آباد میں منعقد ہوئی۔ مستقلاً شرکاء کی تعداد چالیس سے پچاس تک تھی‘ جبکہ جزوی شرکت میں یہ تعداد پانچ صد سے تجاوز کر جاتی تھی۔ (دس سالہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن: ص ۲۴۔۲۵) اس تربیت گاہ میں قیام اللّیل کا بھی اجتماعی اہتمام کیا گیا‘ جس میں آٹھ راتوں میں قاری عبد القادر صاحب نے پورا

قرآن کریم ختم کرایا۔ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص ۲۲۶)

قرآن کالج

۱۹۸۴ء میں قرآن کالج کے لیے اتاترک بلاک گارڈن ٹاؤن میں ایک قطعہ زمین خریدا گیا اور ۱۹۸۹ء میں اس عمارت میں باقاعدہ کلاسز کا آغاز ہوا۔ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص ۲۳۲)

۱۹۹۰ء میں ایف اے سال اوّل کے لیے داخلے کیے گئے۔ شروع میں داخلہ لینے والے طلبہ کو ایک اضافی سال میں عربی اور جامع دینی نصاب کی تعلیم بھی ساتھ ہی دی جاتی تھی۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۹۰ء‘ مرتب سراج الحق سید‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ ص ۸-۹)

قرآن کالج کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ایف اے‘ ایف ایس سی پاس طلبہ کو تین سال میں ایک جانب بی اے کے امتحان کی مناسب تیاری کروادی جائے اور دوسری طرف عربی صرف ونحو کی بنیاد کو پختہ کر کے پورے قرآن مجید کا ترجمہ مع مختصر تفسیر‘ مطالعہ قرآن مجید کا وہ منتخب نصاب تفصیلی تدریس کے انداز میں جو انجمن خدام القرآن کی تحریک کی اساس بنا ہے‘ اور حدیث نبوی کا مختصر انتخاب پڑھا دیا جائے تو تحریک رجوع الی القرآن کے مقاصد نہایت عمدگی اور سرعت سے حاصل ہوں گے۔ (قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ ص ۹)

اپریل ۲۰۰۸ء میں اس کالج کو بوجوہ بند کر دیا گیا (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۰۷-۲۰۰۸ء‘ مرتب محمود عالم میاں‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ ص ۳۲-۳۳) اور کالج کی عمارت میں ’کلیۃ القرآن‘ کا آغاز کیا گیا۔ اس دوران سینکڑوں طلبہ نے قرآن کالج سے گریجویشن مکمل کی اور وہ معاشرے میں مختلف عہدوں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے قرآنی فکر کو عام کر رہے ہیں۔

کُلیۃُ القرآن

قرآن کالج کی سرگرمیوں کو بند کر کے ’کلیۃ القرآن‘ کھولنے کے مقصد کو انجمن کی سالانہ رپورٹ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> ’’۲۸ ستمبر ۲۰۰۷ء کو مرکزی انجمن کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کالج میں جاری تعلیمی سرگرمیوں کو مختلف وجوہات کی بنا پر بند کر دیا جائے...... اس فیصلے کے بعد مرکزی انجمن کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۱۳۰ کتوبر ۲۰۰۷ء‘ ۲۷ جنوری ۲۰۰۸ء اور ۱۲۷پریل ۲۰۰۸ء میں قرآن کالج کی عمارت سے بہتر استفادے کی تجاویز پر غور و فکر کیا گیا۔ اس ضمن میں متعدد تجاویز زیر غور آئیں‘ جن میں سے مندرجہ ذیل دو تجاویز کو حتمی طور منظور کر لیا گیا۔ ۱۔ میٹرک یا ایف اے کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ان کو چھ یا آٹھ سال میں درس نظامی کے ساتھ میٹرک‘ ایف اے‘ بی اے اور ایم اے کروایا جائے۔ ۲۔ گریجوائٹس کو داخلہ دیا جائے اور انہیں چار سال میں درس نظامی کی طرز کا دینی کورس پڑھایا جائے اور ساتھ ہی ایم اے کی تیاری بھی کرائی جائے... متذکرہ بالا دو تعلیمی منصوبوں میں سے مقدم الذکر منصوبے پر عملی پیش رفت فوری طور پر کی گئی اور جولائی ۲۰۰۸ء میں بیان کردہ خطوط پر کلیۃ القرآن

> کے ایک نئے منصوبے کا آغاز کیا گیا، جس میں پختہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ دینی تعلیم کے ضمن میں ان شاء اللہ مکمل درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) مع تخصص فی علوم القرآن کروایا جائے گا اور اس کے ساتھ میٹرک، ایف اے اور بی اے کی تعلیم دی جائے گی۔ مزید برآں ایم اے عربی/اسلامیات کے امتحان کی تیاری میں مکمل رہنمائی دی جائے گی۔ ان شاء اللہ!'' (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۰۸۔۲۰۰۹ء، مرتب محمود عالم میاں، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص ۱۸۔۱۹)

تازہ اعداد و شمار اور رپورٹ کے مطابق کلیۃ القرآن کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۴۵ ہے اور درس نظامی میں درجہ اولیٰ سے دورۂ حدیث، جبکہ اسکول میں میٹرک سے ایم اے تک کلاسز جاری ہیں۔ کلیۃ القرآن کا الحاق درجہ سادسہ تک وفاق المدارس العربیۃ سے ۲۰۲۱ء تک کے لیے ہے۔ درسِ نظامی کا نصاب بھی وہی مقرر کیا گیا ہے جو وفاق المدارس العربیۃ کا ہے۔

قرآن اکیڈمی

قرآن اکیڈمی کا تصور ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے کتابچے 'اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام' میں پیش کیا اور اسی کے مطابق اس کا سنگ بنیاد ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۳ جنوری ۱۹۷۶ء کو رکھا گیا۔ اس موقع پر دیگر حضرات کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ بھی موجود تھے جنہوں نے ان مقاصد میں کامیابی کی دعا فرمائی جن کے لیے اکیڈمی کا قیام عمل میں آ رہا تھا۔ (دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص ۲۲۷)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنے کتابچے میں 'کرنے کا اصل کام' کے عنوان سے قرآن اکیڈمی کے قیام کے مقصد کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''دوسرے یہ کہ ایک قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے جو ایک طرف علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا بندوبست کرے تاکہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لوگوں پر آشکارا ہو، اور دوسری طرف ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی براہ راست آگاہ ہوں، تاکہ متذکرہ بالا علمی کاموں کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔ علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا اہم ترین نتیجہ یہ نکلے گا کہ عام لوگوں کی توجہات قرآن حکیم کی طرف مرکوز ہوں گی، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو گا، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو گی اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو گا۔ نتیجتاً بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے ایک اچھی بھلی تعداد ایسے نوجوانوں کی نہ نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی کو اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں۔ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اکیڈمی کا اصل کام ہو گا، اور اس کے لیے ضروری ہو گا کہ ان کو پختہ بنیادوں پر عربی کی تعلیم دی جائے، یہاں تک کہ ان میں زبان کا گہرا فہم اور اس کے ادب کا ستھرا ذوق پیدا ہو جائے۔ پھر انہیں پورا قرآن حکیم سبقاً سبقاً پڑھایا جائے، اور ساتھ ہی حدیثِ نبوی ﷺ، فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم دی جائے۔ پھر ان میں سے جو لوگ فلسفہ والٰہیات کا ذوق رکھنے والے ہوں گے، ان کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ قرآن حکیم کی روشنی میں جدید فلسفیانہ رجحانات پر مدلّل تنقید کریں اور

> جدید علم الکلام کی بنیاد رکھیں۔ اور جو عمرانیات کے مختلف شعبوں کا ذوق رکھنے والے ہوں گے ان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کے لیے اسلام کی رہنمائی و ہدایت کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کرسکیں۔''
>
> (اسرار احمد' ڈاکٹر' اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ص ۲۶۔۲۷)

قرآن اکیڈمی کا اکیڈمک ونگ چار شعبوں پر مشتمل ہے: شعبہ مطبوعات' شعبہ تحقیق اسلامی' شعبہ تدریس اور شعبہ انگریزی۔ شعبہ مطبوعات کے تحت تین ذیلی سیکشن کام کرتے ہیں: ۱۔ تصنیف و تالیف اور ترتیب و تسوید سیکشن ۔۲۔ کمپوزنگ سیکشن ۔۳۔ پرنٹنگ سیکشن (ایضاً: ص ۱۰) تین مجلّات ماہنامہ میثاق' سہ ماہی حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کی اشاعت بھی اسی شعبہ کے تحت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں انجمن کی جملہ کتب کی اشاعت کی ذمہ داری بھی اسی شعبہ کی ہے۔ شعبہ مطبوعات کے تحت تقریباً ایک صد کتب بھی شائع کی گئیں ہیں۔ اکثر کُتب ایسی ہیں کہ جن کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۰۵۔۲۰۰۶ء)

۲۰۰۴ء میں شعبہ تحقیق اسلامی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مجلّات یعنی حکمت قرآن' میثاق اور ندائے خلافت کے لیے علمی' تحریکی' دعوتی اور تحقیقی مضامین کی تیاری' ان کا انتخاب اور جانچ پڑتال کا کام شعبہ تحقیق کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ علاوہ ازیں معاشی' معاشرتی' سیاسی' دعوتی اور تحریکی زندگی سے متعلق شرعی رہنمائی کا کام بھی شعبہ تحقیق سے وابستہ اہلِ علم کے ذمہ ہوتا ہے۔ قرآن اکیڈمی کی لائبریری کا انتظام' جو کہ تقریباً ۱۲ ہزار کتب پر مشتمل ہے' بھی شعبہ تحقیق کے تحت داخل ہے۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۱۲۔۲۰۱۳ء' ص ۱۹)

شعبہ تدریس کے تحت ایک سالہ اور دو سالہ رجوع الی القرآن کورسز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ۲۰۱۶۔۲۰۱۷ء کے سیشن میں ۳۵ مرد اور ۲۲ خواتین نے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس مکمل کیا' جبکہ اسی سیشن میں دو سالہ رجوع الی القرآن مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد ۸ تھی۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۱۶۔۲۰۱۷ء' ص ۲۴) اس کورس کو جاری ہوئے بھی ثلث صدی ہو چکی ہے' اور ان کورسز سے بلاشبہ سینکڑوں ایسے داعیانِ قرآن پیدا ہوئے جو تعلیم و تعلّمِ قرآن مجید کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے ہوئے ہیں۔ اس شعبہ کے تحت شام کے اوقات میں بھی فہمِ دین کورسز سارا سال جاری رہتے ہیں۔ شعبہ انگریزی کے تحت انجمن خدام القرآن کے قرآنی لٹریچر کو انگریزی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔

قرآن اکیڈمی لاہور کی طرز پر کراچی' جھنگ' ملتان' فیصل آباد' راولپنڈی اور پشاور میں بھی قرآن اکیڈمیاں قائم کی گئیں جو قرآن مجید کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلّم کا فریضہ بحسن و خوبی سر انجام دے رہی ہیں۔

تحریکی و تحقیقی مجلّے کی اشاعت

ماہنامہ 'حکمت قرآن' انجمن کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے اور یہ انجمن کا ترجمان ہے۔ یہ ڈاکٹر رفیع الدینؒ کی ادارت میں شائع ہونے والا ایک مجلّہ تھا' جو اُن کے انتقال کے بعد بند ہو گیا تھا۔ بعد ازاں اس مجلّہ کی اشاعتی کمیٹی 'آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس' نے یہ مجلّہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے حوالے کر دیا اور مئی ۱۹۸۳ء سے یہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے ایک آرگن کی حیثیت سے شائع ہونا شروع ہو گیا۔ (دس سالہ رپورٹ' ص ۴۳۔۴۷) مرکزی انجمن خدام القرآن کی مجلس شوریٰ کے ایک فیصلے کے مطابق جنوری ۲۰۰۸ء سے اس مجلّہ کو سہ ماہی بنا دیا گیا۔

خط وکتابت کورسز

شعبہ خط وکتابت کورسز کا آغاز جنوری ۱۹۸۸ء میں کیا گیا۔ اس کے تحت جاری ہونے والے اوّلین کورس کا نام ’قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی کورس‘ ہے۔ ۱۹۹۰ء میں عربی گرامر کا کورس بھی شروع کیا گیا اور ۱۹۹۶ء میں ترجمہ قرآن مجید کورس کا آغاز کیا گیا۔ (ایضاً: ص۳۰) اس کورس کا مقصد گھر بیٹھے قرآن فہمی یا عربی سیکھنے کی سہولت میسر کرنا تھا۔ اس شعبہ کے تحت نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک بھی قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی کورس‘ عربی گرامر کورس اور ترجمہ قرآن مجید کورس کروائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی کورس میں اب تک ۴۵۴۶ طلبہ نے داخلہ لیا جبکہ تقریباً ۶۵۰ نے اسے مکمل کیا۔ عربی گرامر کورسز میں ۵۲۰۰ طلبہ نے داخلہ لیا اور اب تک ۱۲۰۰ سے زائد طلبہ مکمل کر چکے ہیں۔ ترجمہ قرآن کورس میں حصہ لینے والوں کی تعداد ۳۲۰۰ سے زائد ہے‘ جبکہ مکمل کرنے والے ۳۵۰ سے زائد طالب علم ہیں۔ (سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۱٦ـ۲۰۱٧ء‘ ص۴۰ـ۴۱) یہ کورسز اب آن لائن بھی کرائے جاتے ہیں۔

شعبہ سمع وبصر

شعبہ سمع وبصر مرکزی انجمن خدام القرآن کا ایک اہم شعبہ ہے جو کئی ایک ذمہ داریاں سرانجام دیتا ہے‘ جن میں اہم تر قرآن کی دعوتی فکر اور لٹریچر کی آڈیوز اور ویڈیوز کی تیاری ہے۔ ذیل میں ہم ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء کے دوران اس شعبہ کے تحت تیار ہونے والی قرآنی فکر پر مشتمل آڈیوز اور ویڈیوز کی تعداد نقل کر رہے ہیں جس سے یہ احساس بخوبی پیدا ہوتا ہے کہ دعوت رجوع الی القرآن کو عام کرنے میں اس ذریعہ سے مرکزی انجمن خدام القرآن نے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے۔

	۲۰۰۱ـ۲۰۰۲ء	۲۰۰۲ـ۲۰۰۳ء	۲۰۰۳ـ۲۰۰۴ء	۲۰۰۴ـ۲۰۰۵ء	۲۰۰۵ـ۲۰۰۶ء
آڈیو کیسٹس	۲۱,۶۰۵	۲۰,۵۰۰	۲۴,۰۴۶	۳۶,۱۴۶	۱۷,۷۷۱
ویڈیو کیسٹس	۳,۴۵۰	۱,۴۵۰	۲,۶۰۵	۲,۲۳۳	۴۰۳
سی ڈیز	۱۰,۸۲۲	۲۸,۴۷۶	۷۵,۰۲۶	۱۶۰,۹۲۸	۱۵۲,۲۹۷
ڈی وی ڈیز	—	—	—	۱۹,۹۹۰	۳۹,۵۶۷

(سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۰۵ـ۲۰۰۶‘ مرتب خالد محمود خضر‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ ص۲۳)

تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org کا انتظام وانصرام بھی اسی شعبہ کے پاس ہے۔ اس ویب سائیٹ پر مرکزی انجمن خدام القرآن کی شائع شدہ جملہ کُتب‘ رسائل وجرائد اور نشر کردہ آڈیو اور ویڈیو لیکچرز موجود ہیں۔

رجوع الی القرآن کی یہ دعوت اپنی وسعت‘ ہمہ گیریت اور اثرات کے حوالے سے اب ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے مشن کو آگے بڑھانے کا کام جاری ہے...... فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ!! ۞ ۞

تذکّر و تدبّر

مِلاكُ التأوِيل (۱۸)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ الانعام

(۱۰۵) آیت ۴۲:

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾
’’تو ہم نے ان کو فقر و فاقہ اور بیماری سے پکڑا‘ شاید کہ وہ گڑگڑائیں۔‘‘

اور سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾﴾
’’اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا اِلّا یہ کہ ہم نے وہاں کے رہنے والوں کو فقر و فاقہ اور بیماری سے نہ پکڑلیا‘ شاید کہ وہ گڑگڑائیں (عاجزی اختیار کریں)۔‘‘

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تضَرَّع باب تفعیل ہے اور سورۃ الاعراف کی آیت میں تفعیل کی ’’ت‘‘ اگلے حرف ’’ف‘‘ میں مدغم کر دی گئی ہے تو ایسا کیوں ہے‘ حالانکہ دونوں آیات میں مضمون ایک ہی ہے؟

جواباً عرض ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ اہلِ عرب الفاظ کے لانے میں مجاورت کا لحاظ رکھتے ہیں‘ یعنی اگر ایک لفظ خاص طرح سے وارد ہوا ہے تو اس کا پڑوسی لفظ بھی اسی وزن پر ہوگا چاہے معنی میں اختلاف کیوں نہ واقع ہو جائے۔ مثال کے طور پر کسی کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے:

’’يَسُوءُكَ وينُوءُك‘‘ (تجھے یہ بات بری لگے گی اور دور کر دے گی۔)

سیبویہ کہتے ہیں کہ اہل عرب اسی طرح لفظ کے ساتھ لفظ کو ملاتے ہیں‘ حالانکہ یہی لفظ اگر تنہا استعمال ہوتا تو ایسے وارد نہ ہوتا جیسے: يَسُوءُكَ وينُوءُك۔ یہ لفظ (يَنُوءُك) اصلاً يُنِيئُكَ (بروزن يُزِيلُكَ) ہے‘ بمعنی دور کرنا۔ لیکن چونکہ یہ يَسُوءُكَ کے بعد آیا ہے تو اسی کے وزن پر يَنُوءُكَ لایا گیا ہے۔ اور اگر اختلافِ معنی کے باوجود ایسا کرنا جائز ہے تو اتحادِ معنی کے موقع پر کیوں نہ جائز ہوگا!

اب خیال رہے کہ ’’تَضَرَّعَ‘‘ ماضی کا صیغہ ہے اور اس میں ’’ت‘‘ کا ’’ف‘‘ میں ادغام نہیں ہوتا۔ سورۃ

الانعام کی اگلی آیت میں یہی لفظ ماضی کے صیغے سے آ رہا ہے، فرمایا:

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا﴾ (آیت ۴۳)

''تو جب ہماری طرف سے سزا ان تک پہنچی تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے؟''

تو اسی مناسبت سے ماقبل آیت میں مضارع کے صیغے کو بھی بغیر ادغام کے لایا گیا، یعنی ''يَتَضَرَّعُوْنَ'' کہا گیا۔ لیکن سورۃ الاعراف میں چونکہ ایسی کوئی مناسبت نہ تھی، اس لیے ادغام کے ساتھ ''يَضَّرَّعُوْنَ'' کہا گیا کہ یہ صیغہ زبان پر ہلکا محسوس کیا جاتا ہے، واللہ اعلم!

اضافہ از مترجم

بعض اہل علم نے اسی مسئلہ کی ایک اور توجیہہ پیش کی ہے جسے میں زیادہ قرین قیاس سمجھتا ہوں۔ اس لیے ذکر کیے دیتا ہوں:

یہ قرآن مجید کا خاص اسلوب ہے کہ لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس کی دو شکلیں معروف ہوتی ہیں، ایک میں حروف پورے ہیں اور دوسرے میں ایک حرف کم ہے یا دوسرے حرف میں مدغم کر دیا گیا ہے، جیسے:

لَا تَتَفَرَّقُوْا اور لَا تَفَرَّقُوْا اور اسی طرح لَمْ تَسْتَطِعْ اور لَمْ تَسْطِعْ (الکھف)

اگر لفظ پورا ہو تو اس کے معنی میں شدت، گہرائی اور عدد کے لحاظ سے اس کی شمولیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور اگر ایک حرف کی کمی ہو تو اس میں معنی کے اعتبار سے تخفیف، آسانی اور عددی اعتبار سے عدم شمولیت یا اقلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ ہم پہلی مثال کو لے لیتے ہیں کہ جہاں ''ت'' کو اگلے حرف میں مدغم کیا گیا ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (آیت ۱۳)

''اور اللہ نے دین میں سے تمہارے لیے ان باتوں کو مشروع کیا ہے کہ جس کی وصیت نوحؑ کو کی تھی اور وہ کہ جس کی وحی تم پر کی گئی ہے اور وہ کہ جس کی وصیت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کی تھی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفریق نہ ڈالو۔''

اور سورۂ آل عمران میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آیت ۱۰۳)

''اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور تفریق نہ ڈالو۔''

پہلی آیت میں لفظ مکمل شکل میں ہے، کہا: وَلَا تَتَفَرَّقُوْا۔ کیونکہ وہاں ایک ملت کا نہیں بلکہ پانچوں اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام کی اُمتوں کا بیان ہے جس کے بالمقابل سورۂ آل عمران کی آیت میں صرف اہلِ ایمان یا اُمّتِ مسلمہ مخاطب ہے، اس لیے لفظ ''وَلَا تَفَرَّقُوْا'' تخفیف کے ساتھ بیان ہوا۔ اور سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی

مذکورہ مثال میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال ہے۔ سورۃ الانعام میں لفظ ’’یَتَضَرَّعُوْنَ‘‘ اپنی مکمل شکل میں وارد ہوا ہے‘ کیونکہ وہاں بہت سی امتوں کا بیان ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰھُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ (۴۲)﴾

اور اس کے مقابلے میں سورۃ الاعراف کی آیت میں ہر بستی کے نبی کا ذکر ہے‘ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ (۹۴)﴾

یہاں چونکہ ہر بستی کے رہنے والوں کا تذکرہ ہے‘ اس لیے مخاطبین کا دائرۂ کار محدود ہو گیا اور اس مناسبت سے ایک حرف کی کمی (باب تَفَعُّلْ کی ت) کے ساتھ لفظ ’’یَضَّرَّعُوْنَ‘‘ لایا گیا۔ واللہ اعلم!

(۱۰۶) آیت ۵۰:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ج﴾

’’کہہ دیجیے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں‘ اور میں غیب نہیں جانتا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں ایک فرشتہ ہوں۔‘‘

اس آیت میں ضمیر مخاطب (لَکُمْ) کی تکرار کی گئی ہے۔ اور سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ (آیت ۳۱)

’’میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے اختیار میں ہیں اللہ کے خزانے اور نہ (میں نے دعویٰ کیا ہے کہ) مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں نے (کبھی) یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔‘‘

آیت بالکل وہی ہے لیکن اس میں دوسری مرتبہ ضمیر مخاطب (لَکُمْ) نہیں ہے تو اس بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے۔

جواباً عرض ہے‘ واللہ اعلم‘ کہ سورۂ ہود کی آیت نوح علیہ السلام سے متعلق ہے‘ وہ اپنی قوم سے مخاطب ہیں‘ اپنی قوم سے مشفقانہ طور پر مخاطب ہیں‘ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں‘ عذاب سے دوچار نہ ہوں‘ اپنی حرکتوں کی بنا پر پکڑے نہ جائیں۔ ملاحظہ ہوں کہ وہ کلام کا آغاز کیسے کرتے ہیں:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِہٖ......﴾ (آیت ۲۸)

’’کہا کہ اے قوم! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانی رکھتا ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھے رحمت سے بھی نوازا ہے......‘‘

پھر کہا:

﴿وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا ط﴾ (آیت ۲۹)

’’اور اے میری قوم! میں اپنی اس دعوت پر تم سے مال نہیں طلب کر رہا۔‘‘

اس کے بعد کہا:

﴿وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ ط﴾ (آیت ۳۰)

’’اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دھتکار دوں تو اللہ کے سامنے پھر میری مدد کو کون آئے گا؟‘‘

اس کے بعد متذکرہ آیت آتی ہے (آیت ۳۱) جس کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے:

﴿اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۱﴾ ’’پھر تو میں ظالموں میں سے شمار ہوں گا۔‘‘

دیکھا کہ یہ سارا اسلوبِ بیان اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مشفقانہ خطاب کر رہے ہیں‘ اور اگر اسلوب نرمی کا ہو تو اس میں ایسے کلمہ کی تکرار مناسب نہیں جس میں سرزنش یا عتاب جھلک رہا ہو‘ کیونکہ تکرار ایسے مواقع پر ہی کی جاتی ہے اور یہاں یہ موقع نہ تھا۔

اب باقی رہی سورۃ الانعام کی آیت جس میں ’’لَکُمْ‘‘ کی تکرار واقع ہوئی ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اس وحی کا حصہ ہے جس میں آپؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ قریش اور عربوں کے سرغنہ حضرات کو بطور سرزنش مخاطب ہوں‘ اور اس لیے خطاب کا آغاز ہوتا ہے: ’’قُلْ‘‘ یعنی اے محمد (ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے!

﴿لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ﴾

اور یہاں حضرات ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اور آپ ﷺ کے خاص الخاص صحابہؓ سے خطاب نہیں ہے‘ بلکہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے یہ کچھ کہا تھا:

﴿مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا ۝۷ اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا ط﴾ (الفرقان)

’’دیکھو! اس رسول کو‘ کہ کھانا کھاتا ہے‘ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر ایک فرشتہ کیوں نہ اترا جو کہ اس کے ساتھ ڈرانے کے لیے کھڑا ہوتا؟ یا اُس پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا‘ یا اس کے لیے ایک باغ کیوں نہ بنایا گیا؟‘‘

یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تحقیر آمیز رویہ اختیار کیے ہوئے تھے‘ اور جن کا ظاہر و باطن فساد کا شکار ہو چکا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا کہ ﴿لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ﴾ اور ایسے ہی لوگوں کے لیے مناسب تھا کہ عتاب اور سرزنش کے طور پر ’’لَکُمْ‘‘ کی تکرار کی جاتی۔

اس اسلوب کی ایک دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو‘ اس اسلوب میں گو مخاطب سے عتاب کیا جا رہا ہے‘ لیکن مخاطب مقصود نہیں ہوتا بلکہ دوسرے سامعین مقصود ہوتے ہیں جو کہ اپنے کرتوتوں کی بنا پر واقعی اس کلام کے سزاوار ہوتے ہیں۔ اس اسلوب کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے: اِیَّاکِ اَعْنِی وَاسْمَعِیْ یَا جارۃ ’’میں تجھ سے مخاطب ہوں‘ لیکن اے پڑوسن تو سنتی جا!‘‘

یہ مثال ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قیامت کے دن خطاب کرنے کی‘ فرمایا:

﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِیْ وَتُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ج﴾ (المائدۃ: ۱۱۰)

’’(اے عیسٰی علیہ السلام) یاد کرو جب تم گارے سے پرندے کی شکل بناتے تھے میرے حکم سے‘ پھر تم اس میں پھونکتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا‘ اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے شفایاب کرتے‘

اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے کھڑا کر ڈالتے۔''

اور اسی ضمن میں پھر ان سے یہ بھی کہا گیا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا ڈالو؟ تو یہاں ان لوگوں کی سرزنش مقصود ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت شرک کیا تھا۔ گو بظاہر خطاب نبی عیسیٰ علیہ السلام سے ہے، لیکن مقصود مشرکین ہیں اور اس لیے یہاں ''بِاِذْنِیْ'' کی تکرار ہے صرف یہ ذہن نشین کرانے کے لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جتنے بھی معجزات ظاہر ہوئے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئے تھے، اس لیے انہیں یا ان کی والدہ کو معبود بنانا کیسے روا رکھا جا سکتا ہے؟ اب اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سورۂ ہود میں ''لَکُمْ'' کی تکرار کیوں نہیں ہے، برخلاف سورۃ الانعام کی آیت کے۔ واللہ اعلم!

(۱۰۷) آیت ۹۰:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۞﴾ ''وہ نہیں ہے مگر ایک یاددہانی تمام جہانوں کے لیے۔''

اور سورۃ التکویر میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞﴾ ''وہ نہیں ہے مگر ایک ذکر تمام جہانوں کے لیے۔''

دونوں آیات میں ''هُوَ'' سے مراد قرآن مجید ہے اور ''هُوَ'' مذکر کی ضمیر ہے، لیکن اس کی خبر پہلی آیت میں ''ذِكْرٰى'' ہے جو کہ مؤنث ہے اور دوسری آیت میں ''ذِكْر'' ہے جو کہ مذکر ہے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، واللہ اعلم، کہ سورۃ التکویر کی آیت سے قبل سارے کا سارا مضمون قرآن سے متعلق ہے۔ سب سے پہلے ایک قسم کا بیان ہوا۔ فرمایا:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۞﴾ ''اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ان (ستاروں) کی جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔''

اور پھر چند آیات کے بعد قرآن ہی کا ذکر ہے ضمیر مذکر کے ساتھ:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۞﴾ ''بے شک وہ ایک معزز پیغامبر کا قول ہے۔''

مراد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام جن کی کئی صفات بیان ہوئیں:

﴿ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۞﴾

''بڑی قوت والے ہیں اور عرش والے کے پاس بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔''

﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۞﴾ ''وہاں ان کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ امانت دار ہیں۔''

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا گیا اور فرمایا:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۞﴾ ''اور تمہارے رفیق خبطی نہیں ہیں۔''

اور یوں ان لوگوں کی تردید کی گئی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون قرار دے رہے تھے۔ اور پھر بتایا گیا کہ وہ وحی کی تبلیغ میں مأمون و محفوظ ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۞﴾

''اور وہ غیب کے اس علم کو (لوگوں تک) پہنچانے کے لیے بخیل نہیں ہیں۔''

اور دوسری قراءت (بِظَنِین) کے اعتبار سے وہ اس معاملے میں مُتَّھَمْ نہیں ہیں' یعنی ان پر یہ الزام نہیں لگایا گیا کہ وہ اس کی تبلیغ میں خیانت کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد فرمایا:

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (٢٥)﴾ ''اور وہ (یعنی قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔''

اب دیکھئے کہ یہ ساری کی ساری ضمائر مذکر چلی آ رہی ہیں۔ اس کے بعد کہا:

﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ (٢٦)﴾ ''اور پھر تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟''

یعنی تمہاری ساری بدگمانیاں اور الزامات بے بنیاد ہیں تو پھر تم اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے راہِ راست پر کیوں نہیں آ جاتے؟ یعنی اس قرآن کو کیوں نہیں مان لیتے جو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے' فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (٢٧)﴾

اور اب واضح ہو گیا کہ سارا بیان قرآن سے متعلق تھا اور اس مناسبت سے ''ذِكْرٌ'' لانا بھی مناسب تھا کہ وہ مذکر لفظ کی خبر کے طور پر وارد ہوا ہے۔

اب رہی سورۃ الانعام کی آیت تو اس سے قبل ارشاد فرمایا تھا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (٨٩)﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب' حکم اور نبوت عطا کی تھی' تو اگر یہ لوگ (یعنی بعد میں آنے والے) اس کا انکار کریں تو (وہ جان لیں کہ) ہم نے اس چیز پر ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔''

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (٩٠)﴾

اب ملاحظہ ہو کہ یہاں ''هُوَ'' کہہ کر ان تینوں چیزوں کی طرف اشارہ ہے' یعنی کتاب' فیصلہ کرنے کی طاقت اور کارِ نبوت' اور ان مجموعی چیزوں کی طرف لفظ ''ذِكْرٰى'' کہہ کر اشارہ کر دیا گیا جو بالکل مناسب تھا۔ یعنی جہاں صرف قرآن کا ذکر تھا تو اس کے لیے لفظ مذکر (ذِكْرٌ) لانا ضروری تھا' اور جہاں مذکر اور مؤنث کے الفاظ کا مجموعہ تھا (کتاب' حکم' نبوت) تو وہاں ایک مؤنث لفظ (ذِكْرٰى) کا لایا جانا بالکل مناسب تھا۔ واللہ اعلم!

(١٠٨) **آیت** ٩٢:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (٩٢)﴾

''اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔''

اور سورۃ المعارج میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں۔''

اور سورۃ المؤمنون میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ ''اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری محافظت کرتے ہیں۔''

پہلی دونوں آیات میں ''صَلَاتِهِمْ'' مفرد کی شکل میں آیا ہے، اور سورۃ المؤمنون کی آیت میں جمہور کی قراءت ''صَلَوٰتِهِمْ'' جمع کے صیغے کے ساتھ ہے، سوائے شیخین (حمزہ اور کسائی) کہ انہوں نے اسے مفرد ہی پڑھا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، واللہ اعلم، کہ سورۃ المؤمنون کی مذکورہ آیت سے پہلے اہل ایمان کے شاندار اوصاف بیان ہوئے ہیں اور بعد میں ان کی شاندار جزاء کا بیان ہوا ہے۔

پہلے بیان ہوا کہ وہ فوز و فلاح پانے والے ہیں، نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں، بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، زکاۃ کی ادائیگی کرتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، جب کہ سورۃ المعارج میں اس کے بالکل برابر سرابر اوصاف بیان نہیں ہوئے اور سورۃ الانعام میں تو صرف ایمان ہی کا تذکرہ ہوا۔ اور جزاء کے بارے میں سورۃ المؤمنون میں ان کے وارث ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی جنت الفردوس کا اور پھر اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا۔ جبکہ سورۃ المعارج میں صرف اتنا ارشاد ہوا:

﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ ''وہ جنتوں میں ہوں گے معزز اور مکرم۔''

اور سورۃ الانعام میں تو سرے سے جزاء کا ذکر ہی نہیں ہے۔

تو یہ وہ مناسبت ہے کہ جس کی بنا پر سورۃ المؤمنون میں ''صلوٰت'' صیغہ جمع کے ساتھ اور باقی دو آیات میں ''صَلَاة'' صیغہ مفرد کے ساتھ لایا گیا۔ واللہ اعلم!

(۱۰۹) آیت ۹۴:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾

''اور تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔''

اور سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (آیت ۴۸)

''اور تم ہمارے پاس ایسے آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔''

دونوں آیات کا مضمون ایک جیسا ہے، لیکن سورۃ الانعام کی آیت میں ''فُرَادٰى'' کا اضافہ ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، واللہ اعلم، کہ سورۃ الانعام کی آیت کے بعد کہا گیا:

﴿وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ﴾

''اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا تم اسے اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو۔''

یعنی ہم نے تمہیں جو دنیوی سامان عطا کیا تھا اس نے تمہیں تمہاری آخرت سے غافل کر دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ﴾

’’اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تم یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں۔‘‘

یعنی تم بالکل اکیلے اکیلے آئے ہو‘ نہ تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی ہیں اور نہ ہی تمہارے معبود جن کو تم پکارا کرتے تھے۔ اس لیے یہاں ’’فُرَادٰی‘‘ کا لفظ لانا انتہائی مناسب تھا۔ جبکہ سورۃ الکہف کی آیت میں اس آیت سے قبل فرمایا گیا:

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾﴾

’’اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور تو زمین کو صاف چٹیل دیکھے گا اور ہم انہیں اکٹھا کریں گے اور ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے۔‘‘

پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ﴾

’’اور وہ اپنے ربّ کے سامنے صف بستہ پیش کیے گئے۔ تم ہمارے پاس ایسے آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔‘‘

یعنی کوئی تمہارے ساتھ نہ تھا‘ لیکن یہاں ان معبودوں اور سفارشیوں کا ذکر نہیں ہے جن کی طرف سورۃ الانعام کی آیت میں اشارہ کیا گیا تھا۔ اس لیے یہاں لفظ ’’فُرَادٰی‘‘ کا لانا مناسب نہ تھا۔ واللہ اعلم!

(۱۱۰) آیت ۹۷:

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾﴾

’’اور ہم نے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔‘‘

اور پھر اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾﴾

’’اور ہم نے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔‘‘

اور اس سے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾﴾

’’اور بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں آیات میں ’’قوم‘‘ کے ساتھ تین الگ الگ وصف کیوں بیان ہوئے ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ پہلی آیت کے شروع میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾

''اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تا کہ تم خشکی اور سمندر میں ان سے رہنمائی حاصل کر سکو۔''

یہاں چند ایسی چیزوں کا تذکرہ ہے کہ جن کا جاننا اللہ کی وحدانیت پر دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ جان پہچان علم اور عقل سے وابستہ ہے اور علم بھی وہ جو صدیوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے' اور یہ علم صرف سوچ و بچار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق علم و معرفت سے ہے' یہ علم انتہائی وسعت رکھتا ہے۔

اس بات کا علم کہ آسمان میں ستارے بھی ہیں اور کواکب بھی' وہ بھی جو ثابت ہیں اور وہ بھی جو اپنے اپنے برجوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے پانچ ایسے ہیں جو چھپ جاتے ہیں اور سورج اور چاند کے ساتھ دونوں کی رفتار کے مطابق حرکت کرتے رہتے ہیں۔ ان میں چاند بھی ہے جو اٹھائیس راتوں میں اپنا دور مکمل کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں زحل (Saturn) ہے جو چھتیس سالوں میں ایک دور مکمل کرتا ہے۔ یہ اپنے اپنے فلک میں مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہیں' جبکہ فلک اعظم ان سب کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت پذیر ہے' اور یہ سب اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر (اندازہ) ہے:

﴿ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۳۸﴾ (یٰسٓ)

''یہ اندازہ ہے (اللہ کا) جو غلبے والا ہے' جاننے والا ہے۔''

اور پھر ستاروں کی یہ حرکت بحر و بَر میں سفر کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا سبب بنتی ہے۔ اور یہ سارا علم حساب و کتاب پر منحصر ہے۔ کائنات کی اس گہرائی اور وسعت کا علم کائنات کے بنانے والے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ آسمان کی یہ نشانیاں علم اور گہری نظر سے تعلق رکھتی ہیں' اس لیے مناسب ہوا کہ آیت کا اختتام ''لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ'' پر ہو۔

یہاں ایک بات اور بھی کہی گئی ہے کہ اس آیت سے قبل دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف بیان ہوئے ہیں جن کا علم اللہ کی معرفت کی طرف لے جاتا ہے اور جبکہ اللہ کا معلوم کیا جانا تمام معلومات میں اشرف ترین ہے تو پھر اسے جاننے والوں کو بھی اشرف ترین لقب یعنی علم سے موصوف کیا جانا ہی مناسب تھا۔ ان آیات کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ﴾ (آیت ۹۵) ''بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔''

اس کے بعد تذکرہ ہے کہ وہ زندہ کو مردہ سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے' رات کے اندھیرے سے صبح کو نکالتا ہے' رات کو راحت بناتا ہے' سورج اور چاند کا ایک حساب رکھتا ہے۔ اور پھر متذکرہ آیت یعنی ستاروں کی رہنمائی کا ذکر ہے' اور اس کے بعد ان لوگوں کے لیے جو اس سے سبق حاصل کرتے ہیں ''لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ'' کا وصف بتایا گیا ہے جو کہ ''لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ'' اور ''لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ'' سے ایک بالاتر وصف ہے۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ کے

وصف میں بھی ’’علم‘‘ کا ذکر تو ہے لیکن فقہ اور عقل کا نہیں۔ اور یوں یہ بات واضح ہوگئی کہ جب ’’علم‘‘ تمام معلومات میں اشرف ترین ہے تو ان لوگوں کے لیے بھی اشرف ترین لقب اختیار کیا گیا جو آفاقی نشانیوں پر غور وفکر کر کے اللہ کی معرفت تک پہنچتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ توجیہہ بھی بہت خوب ہے اور اس کی مناسبت بھی بالکل واضح ہے۔

اب رہی اگلی آیت جس کا اختتام ’’لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ‘‘ پر ہوتا ہے تو فقہ‘ فہم اور تدبر کا نام ہے۔ اس آیت کی ابتدا میں ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ؕ﴾

’’اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور پھر (اس کے لیے) ایک جائے استقرار بنائی اور پھر وہ جگہ جہاں اسے بطور امانت رکھا جائے گا۔‘‘

اب ان تین جملوں میں انسان کی زندگی کا خلاصہ بیان ہوگیا‘ انسان کا پیدا کیا جانا‘ صلب مرد سے رحم عورت تک اس کے مادہ تخلیق کا سفر‘ اس کے اعضاء کا باہمی متناسب ہونا اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہونا‘ ہر عضو کا اپنے اپنے کام کو ادا کرنا اور ایک دوسرے کا محتاج ہونا‘ پھر اس کی خوراک کا پیدا کیا جانا‘ کن کن مرحلوں سے گزر کر وہ پک پکا کر انسان کے بدن تک پہنچتی ہے اور اس کے رگ و ریشہ کا جز و بنتی ہے‘ اور یہ سارا کام انتہائی آسانی کے ساتھ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو اپنی تمام تر جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ انسان کو صرف دیکھنے اور سننے سے حاصل نہیں ہوتا‘ بلکہ اسے جاننے کے لیے غور وفکر اور تدبر کی ضرورت پڑتی ہے‘ ایسا غور وفکر جو نظرِ ثاقب اور درست سمجھ بوجھ پر مشتمل ہو۔ اور اسی کی طرف سورۃ الذّاریات میں اشارہ ہے:

﴿وَفِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اور کیا اپنی ذات کے بارے میں تم نہیں دیکھتے ہو؟‘‘

اب رہی تیسری آیت جس کا اختتام ’’لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ‘‘ پر ہوتا ہے تو ملاحظہ ہو کہ اس کے شروع میں آسمان سے پانی برسانے اور اس سے نباتات اُگانے کا تذکرہ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَةٌ ۙ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ......﴾

’’اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس پانی سے ہر طرح کی نباتات کو نکالا‘ اس سے سرسبز شاخیں نکالیں جن سے ہم دانے نکالتے ہیں تہ بہ تہ اور پھر کھجوروں کے شگوفوں سے گچھے پیدا کرتے ہیں جو (پھلوں کی وجہ سے) جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر ہم نے باغات پیدا کیے انگور‘ زیتون اور انار کے......‘‘

ان تمام باتوں سے قیامت کے دن اٹھائے جانے اور دوبارہ پیدا کیے جانے پر استدلال کیا جارہا ہے‘ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝٥٧﴾

’’اور اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کر دیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کر سکو۔‘‘

ان باتوں کا علم اور اسی طرح آخرت کے تمام احوال کا علم چونکہ صرف رسولوں اور ان کی تعلیمات پر ایمان لانے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے مناسب تھا کہ آخر میں کہا جاتا:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٩٩﴾

یعنی یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو قیامت کے دن اٹھائے جانے پر ایمان لاتے ہیں، اور اس بات پر بھی کہ جیسے پہلے پیدا کیا تھا ویسے ہی دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ اور یوں ہر آیت کا اختتام اس کے موضوع کی مناسبت سے ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم!

(۱۱۱) آیت۹۹:

﴿وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ﴾

’’اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی، دیکھو اس کے پھل کو جب وہ نمودار ہوتا ہے اور دیکھو اس کے پکنے کو۔‘‘

اور پھر اسی سورت کی آیت ۱۴۱ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾

’’اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور نہیں بھی، اس کے پھل کو کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور جس دن پھل کاٹو تو اس دن اس کا حق بھی ادا کرو۔‘‘

اب یہاں دو سوال کیے جا سکتے ہیں:

پہلی آیت میں دو الفاظ وارد ہوئے ہیں: مُشْتَبِه (باب افتعال) اور مُتَشَابِه (باب تفاعل) اور دوسری آیت میں صرف ایک ہی صیغہ یعنی مُتَشَابِه استعمال ہوا ہے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی آیت کے آخر میں پھلوں کی طرف دیکھنے اور ان کے پکنے کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، جب کہ دوسری آیت کے آخر میں اس کا پھل کھانے اور اس کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، تو ایسا کیوں ہے، جبکہ دونوں آیات کا مضمون تقریباً یکساں ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ مُشْتَبِه اور مُتَشَابِه کا مادہ ایک ہی ہے اور وہ ہے ش، ب، ہ اور جیسا کہ پہلے بتایا گیا دونوں کے صیغے میں اختلاف ہے۔ ایک باب افتعال (اِشْتَبَهَ) سے ہے اور دوسرا باب تفاعل (تَشَابَه) سے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: اَشْبَهَ هٰذَا هٰذَا: اِذَا قَارَبَه وَمَاثَله۔ یعنی یہ چیز دوسری چیز سے ملتی جلتی ہے۔ اس لیے ان دونوں الفاظ میں کوئی خاص جوہری فرق نہیں ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی آیت میں دونوں صیغوں میں سے خفیف ترین استعمال ہوا ہے اور دوسری آیت میں ثقیل ترین جو کہ ترتیب کا تقاضا ہے۔ اس کی ایک مثال پہلے

بھی گزر چکی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾ اور سورۂ طٰہٰ میں ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ﴾ یعنی ابتدائی سورت میں خفیف صیغہ (تَبِعَ) لایا گیا اور بعد کی سورت طٰہٰ میں ثقیل صیغہ (اتَّبَعَ) لایا گیا جبکہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے‘ یعنی پیروی کرنا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کے آخر میں ’’اُنْظُرُوْا‘‘ کہہ کر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور وہ اس لیے کہ اس آیت سے ماقبل جتنی بھی آیات ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی کئی نعمتوں کا بیان ہوا ہے جو سب کی سب اللہ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو‘ پہلے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ﴾ (آیت ۹۵)

’’اللہ تعالیٰ بے شک دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔‘‘

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا﴾ (آیت ۹۶)

’’صبح کو (رات کے اندھیرے سے) پھاڑنے والا‘ اور اُس نے رات کو باعث سکون بنایا ہے۔‘‘

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ﴾ (ترجمہ اوپر ملاحظہ ہو)

اور پھر ارشاد ہوا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ﴾ (ترجمہ اوپر ملاحظہ ہو)

اور پھر بارش‘ نباتات اور پھلوں کے تذکرے پر مشتمل یہ آیت:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ ۙ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ (ترجمہ اوپر ملاحظہ ہو)

تو جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہاں غور و فکر کرنے اور عبرت پذیری مقصود ہے‘ اس لیے یہاں ’’اُنْظُرُوْا‘‘ کہنا ہی مناسب تھا‘ نہ کہ ’’كُلُوْا‘‘ یعنی کھاؤ۔

اب رہی دوسری آیت جس کے آخر میں ’’كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ‘‘ کہہ کر کھانے کی ہدایت دی گئی ہے تو یہاں مضمون بالکل بدل چکا ہے۔

آیت ۱۳۸ سے مویشیوں کا ذکر ہے اور بات کھانے پینے کی ہو رہی ہے‘ اہلِ جاہلیت کے اوہام کا ابطال کیا جا رہا ہے جو اپنی طرف سے بعض مویشیوں کو اور بعض کھیتیوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے تھے۔ فرمایا:

﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ﴾ ’’اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور یہ کھیتیاں ممنوع ہیں۔‘‘

یعنی ان میں سے وہی ان کو کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں۔ اس کے بعد زیر بحث آیت ہے جس کی ابتدا میں ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (آیت ۱۴۱)

’’اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے‘ ان میں وہ بھی ہیں جو چھتریوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے‘ اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے طرح طرح کے ذائقے ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے۔ ان کے پھل کھاؤ جب وہ درخت پھل دیں‘ اور ان میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو۔‘‘

اور اس سے اگلی آیت میں مویشیوں کا ذکر کیا اور فرمایا:

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ ’’اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔‘‘

اور اس کے بعد پہلے مشرکین کے اپنے مَن گھڑت حلال وحرام کا ذکر ہے جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا......﴾ (آیت ۱۴۵)

’’کہہ دیجیے کہ جو وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں مجھے کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں دکھائی دی سوائے یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو......‘‘

اور اس کے بعد یہ بتایا کہ بنی اسرائیل پر کن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا‘ جس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ﴾ (آیت ۱۴۶)

’’اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام قرار دے دیے تھے۔‘‘

اور ان تمام آیات میں صرف وہ احکامات بیان ہوئے جو کھانے پینے سے متعلق تھے‘ صرف ایک حکم ان کے علاوہ تھا جس کی طرف اس آیت سے اشارہ کیا گیا:

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (آیت ۱۴۱)

اب بات بالکل واضح ہوگئی کہ ان آیات میں ذکر ہے تو کھانے پینے کا‘ ان میں کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے‘ تو اس کے آخر میں یہی مناسب تھا کہ حلال کھانے کا حکم دیا جائے اور پہلی آیات میں کہ جس کا ہم تفصیلی بیان کر چکے ہیں‘ غور وفکر کا حکم دیا جائے‘ اور یوں ہر آیت کا اختتام بالکل مناسب الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ واللہ اعلم!

(۱۱۲) **آیت ۱۰۲**:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾﴾

’’اور یہ ہے اللہ‘ تمہارا رب‘ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے‘ تو پھر اُسی کی عبادت کرو‘ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔‘‘

اور سورۃ المؤمن میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾

’’اور یہ ہے اللہ‘ تمہارا رب‘ جو ہر چیز کا خالق ہے‘ اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں‘ تو پھر تم کہاں بہکے بہکے جا رہے ہو!‘‘

اب یہاں سوال کرنے والا سوال کر سکتا ہے کہ دونوں آیتیں ایک جیسی ہیں‘ لیکن ایک میں پہلے ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ ہے اور پھر ﴿خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾۔ اور دوسری آیت میں اس کا اُلٹ ہے‘ تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت سے قبل مشرکین کے شرک کا بیان ہوا۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ﴾ (آیت۱۰۰)

’’اور انہوں نے اللہ کے لیے جِنّوں کو شریک ٹھہرایا حالانکہ انہیں تو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور پھر انہوں نے بغیر کسی سند کے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں منسوب کر دیں۔‘‘

اور اس سے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ﴾ (آیت۱۰۱)

’’اس کے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہ تھی۔‘‘

اب ملاحظہ ہو کہ ان جھوٹے دعووں کے بعد کیا یہ مناسب نہ تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نمایاں کیا جاتا اور پھر کہا جاتا کہ جو کچھ اُس کے سوا ہے اُس کا خالق صرف اُسی کی ذات ہے۔ چنانچہ یہاں ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ کا پہلے ذکر ہوا اور اس کے بعد کہا: ﴿خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾۔

اب رہی سورۃ الغافر (المؤمن) کی آیت تو اس سے قبل ایک بڑی نشانی کے پیدا کرنے کا ذکر ہے:

﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (آیت۵۷)

’’بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔‘‘

اور پھر ایک اور نشانی کا ذکر کیا:

﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ (آیت۶۱)

’’اور اللہ ہی ہے جس نے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کے قابل بنایا۔‘‘

اب جبکہ یہاں پہلے ایک عظیم ترین مخلوق کا ذکر ہے‘ اور وہ باتیں یہاں بیان نہیں ہوئیں جو سورۃ الانعام کی آیت سے قبل بیان ہوئی تھیں‘ تو مناسب تھا کہ کہا جاتا: ﴿خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اور اس کے بعد اللہ کی وحدانیت کی بات کی جاتی۔ یعنی ہر آیت اپنے موقع محل کے لحاظ سے بالکل مناسب جگہ رکھتی ہے‘ اور اگر اس کا الٹ کیا جاتا تو قطعاً مناسب نہ ہوتا۔ واللہ سبحانہ اعلم!

(۱۱۳) آیت ۱۱۲:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

’’اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ نہ کرتے‘ تو پھر انہیں چھوڑ دو اور جو کچھ جھوٹ یہ باندھتے ہیں۔‘‘

اور اس کے بعد آیت ۱۳۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ١١٢﴾

’’اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ یہ کام نہ کرتے‘ تو پھر انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیں۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت سے قبل ارشاد ہوا:

﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (آیت ۱۱۱)

’’اور اگر ہم ان پر فرشتوں کو بھی اتار دیتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہر چیز کو ہم ان کے روبرو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے اِلا یہ کہ اللہ چاہتا۔‘‘

اب ملاحظہ ہو کہ اس آیت میں ایک ازلی تقدیر کا ذکر ہے‘ کہ چاہے یہ سب کچھ بھی ہو جاتا وہ ایمان لانے والے نہ تھے‘ یعنی کوئی نصیحت ان کے کام آنے والی نہ تھی۔ اس اسلوبِ بیان میں ڈراوا ہے‘ دھمکی ہے‘ جس سے ایک قسم کا خوف لاحق ہوتا ہے تو مناسب تھا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر کر کے ایک گونہ تسلی پہنچائی جاتی‘ اس لیے کہا: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾

اور نبی ﷺ کی تسلی اُمت کی تسلی کا موجب بنتی ہے‘ لیکن دوسری آیت سے قبل ایسا کوئی مضمون بیان نہیں ہوا بلکہ مشرکین کے ایک گھناؤنے فعل کا بیان ہوا تھا۔ فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط﴾ (آیت ۱۳۷)

’’اور اسی طرح ان کے شریک معبودوں نے ان مشرکین کے سامنے اپنی اولاد کو قتل کرنے کا فعل بڑا خوشنما بنا کر پیش کیا ہے تا کہ وہ انہیں برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ بنا دیں۔‘‘

یہاں کسی تقدیر ازلی کا بیان نہیں‘ کہ جس کی بنا پر تمام اُمیدیں ختم ہو کر رہ جائیں‘ جیسا کہ پچھلی آیت میں تھا‘ اس لیے یہاں ذاتِ الٰہی کا اسم اعظم (اللّٰہ) لانا مناسب تھا بغیر کسی اضافت کے‘ اور اگر دونوں آیات میں اس کا الٹ ہوتا تو وہ مناسب نہ تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم!

❁ ❁ ❁

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں
اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

ڈاکٹر اسرار احمدm

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

فہمُ القُرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ التوبۃ

آیات ۳۰ تا ۳۷

وَقَالَتِ الْیَہُوْدُ عُزَیْرُ ۨ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ قَوْلُہُمْ بِاَفْوَاہِہِمْ ۚ
یُضَاہِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۚ۫ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَہُمْ
وَرُہْبَانَہُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ
اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۳۱ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنْ
یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝۳۲ ہُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی
الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝۳۳ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّہْبَانِ
لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ
وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرْہُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳۴ۙ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْہَا فِیْ نَارِ
جَہَنَّمَ فَتُکْوٰی بِہَا جِبَاہُہُمْ وَجُنُوْبُہُمْ وَظُہُوْرُہُمْ ؕ ہٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ
تَکْنِزُوْنَ ۝۳۵ اِنَّ عِدَّۃَ الشُّہُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَہْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ مِنْہَاۤ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۬ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْہِنَّ اَنْفُسَکُمْ وَقَاتِلُوا
الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی
الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ
فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝۳۷ۧ

ض ھ ی

ضَھِیَتْ تَضْھٰی (ف) ضَھًی : زمین کا بنجر ہونا۔

ضَاھٰی (مفاعلہ) مُضَاھَاۃً : کسی کے مشابہ ہونا۔ زیر مطالعہ آیت ۳۰

ک ن ز

کَنَزَ یَکْنِزُ (ض) کَنْزًا : کوئی چیز جمع کر کے محفوظ کرنا' ذخیرہ کرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۳۴

کَنْزٌ ج کُنُوْزٌ (اسم ذات) : ذخیرہ' خزانہ۔ ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ کَنْزٌ﴾ (ھود:۱۲) ''کیوں نہیں اتارا گیا انؐ پر کوئی خزانہ۔'' ﴿وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْکُنُوْزِ﴾ (القصص:۷٦) ''اور ہم نے دیا اس کو خزانوں میں سے۔''

ک و ی

کَوٰی یَکْوِیْ (ض) کَیًّا : لوہے وغیرہ سے کسی کو داغنا۔ زیر مطالعہ آیت ۳۵

ج ب ھ

جَبَهَ یَجْبَهُ (ف) جَبْهًا : پیشانی پر مارنا۔

جَبْهَةٌ ج جِبَاهٌ : پیشانی۔ زیر مطالعہ آیت ۳۵

ن س ء

نَسَأَ یَنْسَأُ (ف) نَسْئًا : (۱) چوپایہ کو ہانکنا۔ (۲) دودھ میں پانی ملانا۔

نَسِیْءٌ: ملاوٹ یا گڑبڑ کرنے کا عمل' عرب میں محترم مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا رواج۔ زیر مطالعہ آیت ۳۷

مِنْسَاۃٌ (اسم الآلہ) : چرواہے کا ڈنڈا' لاٹھی۔ ﴿مَادَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ﴾ (سبا:۱٤) ''ان کو (یعنی جنوں کو) خبردار نہیں کیا انؑ کی موت پر مگر دیمک نے جو کھاتی تھی ان کی لاٹھی کو۔''

و ط ء

وَطِئَ یَطَأُ (س) وَطْئًا : کسی چیز کو پیر کے نیچے روندنا' پامال کرنا۔ ﴿وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ﴾ (الاحزاب:۲۷) ''اور اس نے وارث بنایا تم لوگوں کو ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور ایک ایسی زمین کا جس کو تم نے قدموں سے نہیں روندا۔''

مَوْطِأٌ (اسم الظرف) : روندنے کی جگہ۔ ﴿وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا﴾ (التوبة:۱۲۰) ''اور وہ نہیں روندتے کسی روندنے کی جگہ کو۔''

مُوَاطَأَ (مفاعلہ) مُوَاطَئَةً : موافقت پیدا کرنا' اشعار کا وزن برابر کرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۳۷

ترکیب: (آیت ۳۰) ''یُضَاهِئُوْنَ'' کا مادہ ''ض ھ ی'' ہے۔ اس سے باب مفاعلہ کا مضارع ''یُضَاهُوْنَ'' بنتا ہے' لیکن ہماری قراءت میں ''یُضَاهِئُوْنَ'' پڑھا جاتا ہے۔ اس کا ہمزہ اصلی نہیں ہے۔ (آیت ۳۴۔۳۵) ''لَا یُنْفِقُوْنَهَا، یُحْمٰی عَلَیْهَا'' اور ''فَتُکْوٰی بِهَا'' میں ''هَا'' کی ضمیریں ''الذَّهَبَ'' اور ''اَلْفِضَّةَ'' کے لیے

ہیں۔ ''ذَھَب'' کا لفظ مذکر ومؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ''یُحْمٰی'' باب افعال کا مضارع مجہول ہے' ثلاثی مجرد کا نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہاں پر یہ فعل لازم ہے۔

ترجمہ:

وَقَالَتِ : اور کہا
الْیَهُوْدُ : یہود نے کہ
عُزَیْرُ : عزیرؑ
ابْنُ اللّٰهِ : اللہ کے بیٹے ہیں
وَقَالَتِ : اور کہا
النَّصٰرَی : نصاریٰ نے کہ
الْمَسِیْحُ : مسیحؑ
ابْنُ اللّٰهِ : اللہ کے بیٹے ہیں
ذٰلِكَ : یہ
قَوْلُهُمْ : ان کی بات
بِاَفْوَاهِهِمْ : ان کے مونہوں سے
یُضَاهِئُوْنَ : مشابہت کرتے ہیں
قَوْلَ الَّذِیْنَ : ان لوگوں کی بات سے جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا
مِنْ قَبْلُ : اس سے پہلے
قٰتَلَهُمُ : ہلاک کرے ان کو
اللّٰهُ : اللہ
اَنّٰی : کہاں سے
یُؤْفَكُوْنَ : یہ پھیرے جاتے ہیں
اِتَّخَذُوْٓا : انہوں نے بنایا
اَحْبَارَهُمْ : اپنے علماء کو
وَرُهْبَانَهُمْ : اور اپنے درویشوں کو
اَرْبَابًا : بہت سے رب
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ : اللہ کے علاوہ
وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ : اور مسیحؑ ابن مریم کو (بھی)
وَمَآ اُمِرُوْٓا : اور ان کو حکم نہیں دیا گیا
اِلَّا : سوائے اس کے
لِیَعْبُدُوْٓا : کہ وہ بندگی کریں
اِلٰهًا وَّاحِدًا : واحد الٰہ کی
لَآ اِلٰهَ : کوئی الٰہ نہیں ہے
اِلَّا : سوائے
هُوَ : اس کے
سُبْحٰنَهٗ : پاکیزگی اس کی ہے
عَمَّا : اس سے جو
یُشْرِكُوْنَ : یہ شرک کرتے ہیں
یُرِیْدُوْنَ : وہ ارادہ کرتے ہیں
اَنْ : کہ
یُّطْفِئُوْا : بجھا دیں
نُوْرَ اللّٰهِ : اللہ کے نور کو
بِاَفْوَاهِهِمْ : اپنے مونہوں سے
وَیَاْبَی : اور انکار کرتا ہے
اللّٰهُ : اللہ
اِلَّآ اَنْ : مگر یہ کہ
یُّتِمَّ : وہ پورا کر کے رہے گا
نُوْرَهٗ : اپنے نور کو
وَلَوْ : اور اگرچہ

کَرِہَ : کراہیت کریں
الْکٰفِرُوْنَ : کافرلوگ
ھُوَ : وہ
الَّذِیْٓ : وہ ہے جس نے
اَرْسَلَ : بھیجا
رَسُوْلَہٗ : اپنے رسولؐ کو
بِالْھُدٰی : ہدایت کے ساتھ
وَدِیْنِ الْحَقِّ : اور حق کے دین کے ساتھ
لِیُظْھِرَہٗ : تاکہ وہ غالب کرے اس کو
عَلَی الدِّیْنِ : ضابطۂ حیات پر
کُلِّہٖ : اس کے کل پر
وَلَوْ : اور اگرچہ
کَرِہَ : کراہیت کریں
الْمُشْرِکُوْنَ : مشرک لوگ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ : اے لوگو جو
اٰمَنُوْٓا : ایمان لائے
اِنَّ : بے شک
کَثِیْرًا : بہت سے
مِّنَ الْاَحْبَارِ : علماء میں سے
وَالرُّھْبَانِ : اور درویشوں میں سے
لَیَاْکُلُوْنَ : کھاتے ہیں
اَمْوَالَ النَّاسِ : لوگوں کے مال
بِالْبَاطِلِ : باطل (طریقوں) سے
وَیَصُدُّوْنَ : اور روکتے ہیں
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ سے
وَالَّذِیْنَ : اور جو لوگ
یَکْنِزُوْنَ : ذخیرہ کرتے ہیں
الذَّھَبَ : سونے کا
وَالْفِضَّۃَ : اور چاندی کا
وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا : اور وہ خرچ نہیں کرتے ان کو
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
فَبَشِّرْھُمْ : تو آپؐ خوشخبری دیں ان کو
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ : ایک دردناک عذاب کی
یَّوْمَ : جس دن
یُحْمٰی : خوب گرم کیا جائے گا
عَلَیْھَا : ان کو (یعنی اموال کو)
فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ : جہنم کی آگ میں
فَتُکْوٰی : پھر داغا جائے گا
بِھَا : ان سے
جِبَاھُھُمْ : ان کی پیشانیوں کو
وَجُنُوْبُھُمْ : اور ان کے پہلوؤں کو
وَظُھُوْرُھُمْ : اور ان کی پیٹھوں کو
ھٰذَا : یہ
مَا : وہ ہے جو
کَنَزْتُمْ : تم نے ذخیرہ کیا
لِاَنْفُسِکُمْ : اپنی جانوں کے لیے
فَذُوْقُوْا : تو چکھو
مَا : اس کو جو
کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ : تم ذخیرہ کرتے تھے
اِنَّ : بے شک
عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ : مہینوں کی گنتی
عِنْدَ اللّٰہِ : اللہ کے پاس
اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا : بارہ مہینے ہے
فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ : اللہ کے لکھے ہوئے میں

يَوْمَ : (اس دن سے) جس دن	خَلَقَ : اس نے پیدا کیا
السَّمٰوٰتِ : آسمانوں کو	وَالْاَرْضَ : اور زمین کو
مِنْهَآ : ان میں سے	اَرْبَعَةٌ : چار
حُرُمٌ : محترم ہیں	ذٰلِكَ : یہ
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ : پکا ضابطہ ہے	فَلَا تَظْلِمُوْا : پس تم ظلم مت کرو
فِيْهِنَّ : ان میں	اَنْفُسَكُمْ : اپنی جانوں پر
وَقَاتِلُوا : اور جنگ کرو	الْمُشْرِكِيْنَ : مشرکوں سے
كَآفَّةً : اکٹھا ہو کر	كَمَا : جیسے
يُقَاتِلُوْنَكُمْ : وہ جنگ کرتے ہیں تم سے	كَآفَّةً : اکٹھا ہو کر
وَاعْلَمُوْٓا : اور جان لو	اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ : تقویٰ کرنے والوں کے ساتھ ہے	اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
النَّسِيْٓءُ : مہینے آگے پیچھے کرنے کا رواج	زِيَادَةٌ : زیادتی (یعنی اضافہ) ہے
فِي الْكُفْرِ : کفر میں	يُضَلُّ : گمراہ کیا جاتا ہے
بِهِ : اس سے	الَّذِيْنَ : ان کو جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا	يُحِلُّوْنَهٗ : وہ حلال کرتے ہیں اس کو
عَامًا : ایک سال	وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ : اور حرام کرتے ہیں اس کو
عَامًا : ایک سال	لِّيُوَاطِـُٔوْا : تاکہ وہ برابر کریں
عِدَّةَ مَا : اس کی گنتی کو جو	حَرَّمَ : حرام کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	فَيُحِلُّوْا : نتیجتاً وہ حلال کرتے ہیں
مَا : اس کو جسے	حَرَّمَ : حرام کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	زُيِّنَ : سجایا گیا
لَهُمْ : ان کے لیے	سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ : ان کے اعمال کی برائی کو
وَاللّٰهُ : اور اللہ	لَا يَهْدِي : ہدایت نہیں دیتا
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ : کافر لوگوں کو	

نوٹ۱: حضرت عدی بن حاتم ؓ ایمان لانے سے پہلے عیسائی تھے۔ انہوں نے آیت ۳۱ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالینے کے الزام کی حقیقت کیا

ہے؟ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور درویشوں کو رَب نہیں بناتے۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کو وہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم لوگ حرام مان لیتے ہو اور جس کو وہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ حضرت عدیؓ نے کہا کہ یہ تو ہم کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی ان کو رب بنانا ہے۔

نوٹ ۲: آیت ۳۴۔۳۵ میں جب سونے چاندی کی مذمت اتری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا چرچا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پوچھ آتا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کا مقرر کرنا بتا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ (ابن کثیرؒ)

آیات ۳۸ تا ۴۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝٣٨ اِلَّا
تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝٣٩ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی
الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ
لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ
حَكِیْمٌ ۝٤٠ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٤١ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ
عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ
یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝٤٢ؑ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا
وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ ۝٤٣ لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝٤٤ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۝٤٥ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ
عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝٤٦ لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا
زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ
بِالظّٰلِمِیْنَ ۝٤٧ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ
اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ۝٤٨

غ و ر

غَارَ یَغُوْرُ (ن) غَوْرًا: نشیب میں اترنا' پانی کا زمین میں جذب ہونا۔ ﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُھَا غَوْرًا﴾ (الکھف:٤١) ''یا ہو جائے اس کا پانی زمین میں جذب۔''

مَغَارَۃٌ (اسم الظرف) : نیچے اُترنے کی جگہ یعنی غار۔ ﴿لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ﴾ (التوبۃ:٥٧) ''اگر وہ پائیں کوئی پناہ گاہ یا کچھ غار۔''

غَارٌ (اسم ذات) : غار۔ زیر مطالعہ آیت ۴۰

ث ب ط

ثَبَطَ یَثْبُطُ (ن) ثَبْطًا : کسی کو کسی کام سے باز رکھنا' روک دینا۔

ثَبَّطَ (تفعیل) تَثْبِیْطًا : بالکل یا قطعی طور پر روک دینا' ہلنے نہ دینا۔ زیر مطالعہ آیت ۴۶

ترکیب : (آیت ۳۹) ''اِلَّا'' دراصل ''اِنْ'' شرطیہ اور لائے نفی کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ ''لَا تَنْفِرُوْا'' فعل نہی نہیں ہے۔ یہ دراصل لائے نفی کے ساتھ مضارع ''لَا تَنْفِرُوْنَ'' تھا' جو ''اِنْ'' کی شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ ''یُعَذِّبْکُمْ'' جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ''اِنْ'' شرطیہ پر عطف ہونے کی وجہ سے ''یَسْتَبْدِلْ'' مجزوم ہے اور ''لَا تَضُرُّوْہُ'' اس کا جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اس میں ضمیر مفعولی کو ''اللّٰہ'' کے لیے بھی مانا جا سکتا ہے اور ''قَوْمًا'' کے لیے بھی۔ (آیت ۴۷) ''وَلَاْاَوْضَعُوْا'' میں لائے نفی نہیں ہے۔ ''لَا'' میں لام تاکید ہے اور الف زائدہ ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ (قرآنی رسم الخط کا ایک حصہ ہے۔)

ترجمہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ : اے لوگو جو
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
مَا لَکُمْ : تمہیں کیا ہے
اِذَا : جب
قِیْلَ : کہا جاتا ہے
لَکُمُ : تم سے
انْفِرُوْا : کہ تم نکلو
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
اثَّاقَلْتُمْ : تو تم بوجھل ہوتے ہو
اِلَی الْاَرْضِ : زمین کی طرف
اَ : کیا
رَضِیْتُمْ : تم راضی ہوئے
بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا : دنیوی زندگی پر
مِنَ الْاٰخِرَۃِ : آخرت سے (زیادہ)
فَمَا : تو نہیں ہے
مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا: دنیوی زندگی کا سامان
فِی الْاٰخِرَۃِ : آخرت (کے مقابلہ) میں
اِلَّا : مگر
قَلِیْلٌ : بہت تھوڑا
اِلَّا تَنْفِرُوْا : اگر تم لوگ نہیں نکلو گے
یُعَذِّبْکُمْ : تو وہ عذاب دے گا تم کو
عَذَابًا اَلِیْمًا : ایک دردناک عذاب

وَّیَسْتَبْدِلْ : اور وہ تبدیل کرے گا
قَوْمًا : کسی قوم کو
غَیْرَکُمْ : تمہارے علاوہ
وَ : اور (یعنی تو)
لَا تَضُرُّوْہُ : تم نقصان نہیں پہنچاؤ گے اس کو
شَیْئًا : کچھ بھی
وَاللّٰہُ : اور اللہ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ : ہر چیز پر
قَدِیْرٌ : قادر ہے
اِلَّا تَنْصُرُوْہُ : اگر تم مدد نہیں کرو گے انؐ کی
فَقَدْ نَصَرَہُ : تو مدد کر چکا ہے انؐ کی
اللّٰہُ : اللہ
اِذْ : جب
اَخْرَجَہُ : نکالا انؐ کو
الَّذِیْنَ : ان لوگوں نے جنہوں نے
کَفَرُوْا : کفر کیا
ثَانِیَ اثْنَیْنِ : دو کا دوسرا ہوتے ہوئے
اِذْ : جب
ھُمَا : وہ دونوں
فِی الْغَارِ : غار میں تھے
اِذْ : جب
یَقُوْلُ : وہؐ کہتے تھے
لِصَاحِبِہٖ : اپنے ساتھی سے
لَا تَحْزَنْ : غمگین مت ہو
اِنَّ اللّٰہَ : یقیناً اللہ
مَعَنَا : ہمارے ساتھ ہے
فَاَنْزَلَ : تو اتاری
اللّٰہُ : اللہ نے
سَکِیْنَتَہٗ : اپنی سکینت
عَلَیْہِ : ان پر
وَاَیَّدَہٗ : اور تائید کی ان کی
بِجُنُوْدٍ : اپنے لشکروں سے
لَّمْ تَرَوْھَا : تم لوگوں نے نہیں دیکھا جن کو
وَجَعَلَ : اور اس نے بنایا
کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ : ان کی بات کو جنہوں نے
کَفَرُوا : کفر کیا
السُّفْلٰی : سب سے پست
وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ : اور اللہ کا فرمان
ھِیَ الْعُلْیَا : ہی سب سے بلند ہے
وَاللّٰہُ : اور اللہ
عَزِیْزٌ : بالا دست ہے
حَکِیْمٌ : حکمت والا ہے
اِنْفِرُوْا : تم لوگ نکلو
خِفَافًا : ہلکے ہوتے ہوئے
وَّثِقَالًا : اور بوجھل ہوتے ہوئے
وَّجَاھِدُوْا : اور جدوجہد کرو
بِاَمْوَالِکُمْ : اپنے مالوں سے
وَاَنْفُسِکُمْ : اور اپنی جانوں سے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
ذٰلِکُمْ : یہ
خَیْرٌ : بہتر ہے
لَّکُمْ : تمہارے لیے
اِنْ : اگر
کُنْتُمْ : تم لوگ

تَعْلَمُوْنَ : جانتے ہو
لَوْ : اگر
كَانَ : وہ ہوتا
عَرَضًا قَرِيْبًا : کوئی قریبی سامان
وَّسَفَرًا قَاصِدًا : اور کوئی درمیانی سفر
لَّاتَّبَعُوْكَ : تو وہ ضرور پیروی کرتے آپؐ کی
وَلٰكِنْ : اور لیکن
بَعُدَتْ : دور ہوا
عَلَيْهِمُ : ان پر
الشُّقَّةُ : مشکل سفر
وَسَيَحْلِفُوْنَ : اور وہ لوگ قسم کھائیں گے
بِاللّٰهِ : اللہ کی
لَوِ : اگر
اسْتَطَعْنَا : ہمیں استطاعت ہوتی
لَخَرَجْنَا : تو ہم ضرور نکلتے
مَعَكُمْ : تمہارے ساتھ
يُهْلِكُوْنَ : وہ ہلاکت میں ڈالتے ہیں
اَنْفُسَهُمْ : اپنی جانوں کو
وَاللّٰهُ : اور اللہ
يَعْلَمُ : جانتا ہے
اِنَّهُمْ : کہ بے شک وہ لوگ
لَكٰذِبُوْنَ : یقیناً جھوٹے ہیں
عَفَا : درگزر کیا
اللّٰهُ : اللہ نے
عَنْكَ : آپؐ سے
لِمَ : کیوں
اَذِنْتَ : آپؐ نے اجازت دی
لَهُمْ : انہیں
حَتّٰى : یہاں تک کہ
يَتَبَيَّنَ : واضح ہو جاتے
لَكَ : آپؐ کے لیے
الَّذِيْنَ : وہ لوگ جنہوں نے
صَدَقُوْا : سچ کہا
وَتَعْلَمَ : اور آپؐ جان لیتے
الْكٰذِبِيْنَ : جھوٹوں کو
لَا يَسْتَاْذِنُكَ : اجازت نہیں مانگتے آپؐ سے
الَّذِيْنَ : وہ لوگ جو
يُؤْمِنُوْنَ : ایمان لاتے ہیں
بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخری دن پر
اَنْ : کہ
يُّجَاهِدُوْا : کہ وہ جہاد (نہ) کریں
بِاَمْوَالِهِمْ : اپنے مالوں سے
وَاَنْفُسِهِمْ : اور اپنی جانوں سے
وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَلِيْمٌ : جاننے والا
بِالْمُتَّقِيْنَ : تقویٰ کرنے والوں کو
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
يَسْتَاْذِنُكَ : اجازت مانگتے ہیں آپؐ سے
الَّذِيْنَ : وہ لوگ جو
لَا يُؤْمِنُوْنَ : ایمان نہیں لاتے
بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخری دن پر
وَارْتَابَتْ : اور شک میں پڑے

قُلُوْبُهُمْ : ان کے دل
فَهُمْ : تو وہ
فِيْ رَيْبِهِمْ : اپنے شبہ میں
يَتَرَدَّدُوْنَ : ڈانواں ڈول رہتے ہیں
وَلَوْ : اور اگر
اَرَادُوا : وہ ارادہ رکھتے
الْخُرُوْجَ : نکلنے کا
لَاَعَدُّوْا : تو ضرور تیار کرتے
لَهٗ : اس کے لیے
عُدَّةً : کچھ سامان
وَّلٰكِنْ : اور لیکن
كَرِهَ : ناپسند کیا
اللّٰهُ : اللہ نے
انْبِعَاثَهُمْ : ان کے اٹھنے کو
فَثَبَّطَهُمْ : تو اس نے چپکا کے رکھ دیا ان کو
وَقِيْلَ : اور ان سے کہا گیا
اقْعُدُوْا : کہ تم بیٹھو
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ : بیٹھنے والوں کے ساتھ
لَوْ : اگر
خَرَجُوْا : وہ نکلتے
فِيْكُمْ : تم میں (یعنی تمہارے ساتھ)
مَّا زَادُوْكُمْ : تو وہ زیادہ نہ کرتے تم کو
اِلَّا : مگر
خَبَالًا : بلحاظ ذہنی انتشار کے
وَّلَاۡاَوْضَعُوْا : اور وہ ضرور دوڑاتے (افواہیں)
خِلٰلَكُمْ : تمہارے درمیان
يَبْغُوْنَكُمُ : تلاش کرتے ہوئے تم میں
الْفِتْنَةَ : فتنہ
وَفِيْكُمْ : اور تم لوگوں میں
سَمّٰعُوْنَ : جاسوس ہیں
لَهُمْ : ان کے لیے
وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَلِيْمٌۢ : جاننے والا ہے
بِالظّٰلِمِيْنَ : ظالموں کو
لَقَدِ ابْتَغَوُا : بے شک وہ تلاش کر چکے ہیں
الْفِتْنَةَ : فتنہ کو
مِنْ قَبْلُ : اس سے پہلے
وَقَلَّبُوْا : اور انہوں نے بار بار الٹا
لَكَ : آپ کے لیے
الْاُمُوْرَ : معاملات کو
حَتّٰى : یہاں تک کہ
جَآءَ : آیا
الْحَقُّ : حق
وَظَهَرَ : اور غالب ہوا
اَمْرُ اللّٰهِ : اللہ کا حکم
وَ : اس حال میں کہ
هُمْ : وہ
كٰرِهُوْنَ : کراہیت کرنے والے تھے

نوٹ: آیت ۴۶ میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے منافقوں کا اٹھنا اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ جہاد کے جذبے سے خالی تھے اور دین کی سربلندی کے لیے جانفشانی کرنے کی ان کے اندر کوئی خواہش نہیں تھی تو بددلی کے ساتھ یا کسی شرارت کی نیت سے ان کا اٹھنا اللہ کو پسند نہ تھا' کیونکہ یہ چیز متعدد خرابیوں کا موجب ہوتی۔ اگلی آیات میں اسی کی وضاحت ہے۔ (تفہیم القرآن) ۞۞۞

فکر و نظر

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

ایک علمی اور فقہی جائزہ (۳)

مقالہ نگار: پروفیسر حافظ احمد یارؒ

دوسرا حصہ

مسئلہ کا جدید پہلو

باب اول

پس منظر

اگر بغور تجزیہ کیا جائے تو اس مسئلہ کی مخالفت میں دو طرح کے عنصر پیش پیش نظر آتے ہیں:

(۱) عوام کا وہ حصہ جو رواج سے الفت اور اسلام سے روایتی وابستگی کے دو متضاد عوامل کی کشمکش میں گرفتار ہے‘ ان کا اطمینانِ قلب اس میں ہے کہ کسی طرح اسلام رواج کی تائید کر دے۔ مسئلہ زیر بحث کے متعلق ان لوگوں کی واحد دلیل یہی ہے کہ یہ جذبۂ رحم وشفقت کے برخلاف ہے‘ لہٰذا یہ اسلامی حکم نہیں ہوسکتا۔ قطع نظر اس بات کے کہ قانونی مسائل میں محض جذبۂ رحم وشفقت کو کہاں تک مدارِ استدلال بنایا جاسکتا ہے‘ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان لوگوں کا یہی جذبہ رحم‘ اسلامی احکامِ وراثت کی ہی متعدد ایسی صورتوں میں‘ جن کی بنیاد ہی مودت و رحمت پر ہے‘ سنگدلی میں بدل جاتا ہے۔ مثلاً بوڑھی سوتیلی ماں کو باپ کی جائیداد سے یا نوجوان بے اولاد بھاوج (بیوہ) کو اس کے خاوند کی جائیداد سے حصہ دینا کس قدر ناگوار بلکہ خلافِ عقل اور باعثِ فساد نظر آتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اپنے تحت الشّعور میں یتامیٰ پر شفقت سے زیادہ رواج کی محبت سے متاثر ہیں۔ نیز ایسے لوگوں سے کسی قسم کی علمی اور اصولی بحث واستدلال بے معنی ہے‘ لہٰذا یہ طبقہ ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہو جاتا ہے۔ (۱)

(۲) دوسرا گروہ جو اس مسئلہ کی علمی وفقہی طریقہ سے مخالفت کر رہا ہے ان حضرات کا ہے جو فہمِ دین کے لیے حدیث رسول ﷺ کی ضرورت‘ اہمیت اور حجیت کے قائل نہیں ہیں اور قرآن اور صرف قرآن کریم کو ہی حل مسائل کے لیے کافی خیال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یتیم پوتے کو از روئے قرآن چچا کی موجودگی میں

بھی اپنے دادا کی جائیداد سے وراثت مل سکتی ہے۔ ان کے نزدیک قوانینِ وراثت کے بارے میں فقہاء وائمہ سے قرآن کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی، بلکہ قرآنی اصولوں کی صریح مخالفت بھی(۲) اور پھر تمام اُمت ان کی کورانہ تقلید کا شکار ہو کر رہ گئی، ورنہ اس مسئلے پر تو قرآن کا فیصلہ بالکل واضح تھا۔(۳)

اگرچہ طریقِ فکر میں کسی وحدت کے نہ ہونے کے باعث اس مکتب خیال کے مختلف مفکرین کے استدلال بھی مختلف اور بعض صورتوں میں باہم دگر مخالف بھی ہیں، تاہم چونکہ ان دلائل کے ساتھ ''قرآنی'' ہونے کا دعویٰ موجود ہے، لہٰذا ان دلائل اور ان کے نتائج پر ٹھنڈے دل سے اور قرآن کریم ہی کے احکام کی روشنی میں غور کرنا ضروری ہے۔

یہاں یہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حدیث کی حجیت کا انکار کرنے والا گروہ اسلام میں بالکل نیا نہیں ہے جو اُمت کے طویل فکری انحطاط اور فقہی جمود کے ردِّعمل اور عصرِ حاضر کے علمی و عقلی مقتضیات کی پیداوار ہے —— یہ طبقہ اس وقت بھی موجود تھا جب اُمت میں علمی حرکت اور روحِ اجتہاد اپنے شباب پر تھی —— وہ روحِ اجتہاد جس نے امام ابوحنیفہ ؒ کو اپنے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ ''وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی'' اور جس کی بنا پر امام مالک ؒ نے کہا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا قول ردّ وقبول کے قابل نہ ہو''(۴) —— ہاں تو اُمت کے اس ''سنہری دور'' میں بھی اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ چنانچہ امام شافعی ؒ نے اپنی کتاب **الاُمّ** کے ساتویں حصے **کتاب جماع العلم** میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: ''**باب حکایة قول الطائفة التی ردّت الاخبار کُلّها**'' (یعنی اس جماعت کے اقوال کے بیان کا باب جس نے تمام حدیثوں کو رد کر دیا)۔ اس باب میں انہوں نے اسی مکتب خیال کے ایک ایسے آدمی سے اپنے طویل مکالمہ ومناظرہ کا ذکر کیا ہے جو اپنے گروہ کے علماء میں سے شمار ہوتا تھا۔(۵)

دوسرے مختلف مذاہب فکر کے اختلافات کی طرح اس گروہ کے بعض قدیم اختلافات کا تذکرہ کُتبِ حدیث وفقہ میں ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ قرآن کے تمام احکام یکساں ہیں، ان میں فرض، واجب، مستحب، مباح یا عام خاص وغیرہ کی تقسیم ناجائز ہے، یا مثلاً یہ کہ جس شخص نے کوئی بھی ایسا عمل کیا جس پر نماز یا کم از کم زکوٰۃ کا لفظ بولا جا سکتا ہے تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا، اس کے لیے کوئی وقت نہیں ہے، گو وہ ہر دن کو دو رکعت پڑھے یا پورے زمانہ میں دو رکعتیں پڑھے، یا مثلاً یہ کہ جو چیز قرآن میں نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں ہے، وغیر ذلک(۶) —— لیکن تعجب ہے کہ یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کے مسئلہ پر اس گروہ کے بھی کسی شخص کا کوئی اختلاف منقول نہیں ہے —— کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی موجودہ ''مفکّرینِ قرآن'' حضرات نے اس قسم کی کوئی چیز پیش کی ہے۔

بہرحال اس مسئلہ کی مخالفت کا بیسویں صدی عیسوی سے پہلے کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے غالباً برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلے خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم امرتسری اور مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے اس پر قلم اٹھایا۔

انیسویں صدی عیسوی کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا ربع اول متحدہ ہندوستان میں مذہبی مناظروں کی گرم

بازاری کا دور تھا' اور اسلام' عیسائیت اور ہندومت کے مختلف مسائل مثلاً وحی' کتب مقدسہ کی تحریف' تثلیث و توحید' گوشت خوری' تناسخ وغیرہ ان مناظروں اور مباحثوں کا موضوع ہوتے تھے۔ امرتسر کے کچھ مسلمانوں نے اس قسم کے مباحثوں کے لیے ایک ''مجلس مباحثہ'' (Debating Club) کی بنیاد رکھی۔ اسی کلب میں ایک بحث کے دوران اسلامی قانونِ وراثت کے قابلِ اعتراض پہلو زیرِ غور آئے اور اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم نے ''معجزۂ قرآن'' کے نام سے ایک رسالہ پہلی دفعہ ۱۹۱۴ء میں شائع کیا جس میں وراثت کے بعض دوسرے مسائل پر تنقید کے علاوہ یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کے مسئلے کو بھی از روئے قرآن غلط ٹھہرایا گیا۔ اخبار ''اہلحدیث'' امرتسر کی ماہ مئی ۱۹۱۷ء (رجب ۱۳۳۵ھ) کی کچھ اشاعتوں میں اس رسالہ کی تردید میں کچھ مضمون چھپے اور اس طرح کافی عرصہ تک اس پر بحث کا سلسلہ چلتا رہا۔ اخبار ''اہلحدیث'' کے مضامین کے علاوہ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب اور مولوی نور محمد صاحب ہزاروی وغیرہ نے خواجہ صاحب کی تردید میں متعدد اشتہار شائع کیے۔ اسی طرح انجمن حفظ المسلمین امرتسر کی طرف سے مولوی نور احمد صاحب نے ایک چھوٹا رسالہ ''التنقید علٰی وراثة الحفید'' شائع کیا۔ خواجہ صاحب نے جواب الجواب میں مئی ۱۹۱۷ء' جون ۱۹۱۷ء' اگست ۱۹۱۷ء اور دسمبر ۱۹۱۸ء میں چار ضمیمے شائع کیے۔ بعد میں خواجہ صاحب مرحوم کا رسالہ ''معجزۂ قرآن'' مع ان چاروں ضمیموں کے — رسالہ ''البیان'' (امرتسر) کے جون و جولائی ۱۹۴۱ء کے مجموعی خاص نمبر کی حیثیت سے ''الوراثة فی القرآن'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے خواجہ صاحب مرحوم کے مذکورہ رسالہ ''معجزۂ قرآن'' کا ملخّص عربی ترجمہ ''الوراثة فی الاسلام'' کے نام سے علی گڑھ سے شائع کیا اور بعد میں رسالہ ''معارف'' اعظم گڑھ کے جون و جولائی ۱۹۱۸ء کے نمبروں میں اپنا مقالہ ''محجوب الارث'' شائع کرایا۔ اس مقالہ کی اصل بنیاد خواجہ احمد الدین صاحب کی تحریریں ہی تھیں۔ ۲۹/ نومبر ۱۹۱۸ء کے پرچہ ''اہلحدیث'' میں حافظ ثناء اللہ صاحب مرحوم و مغفور امرتسری نے اس مقالہ کی تردید میں مضمون لکھا۔ جس کا جواب الجواب خواجہ صاحب نے دسمبر ۱۹۱۸ء میں اپنے مذکورہ بالا ضمیمہ چہارم میں دیا تھا —— حال ہی میں مولانا جیراجپوری صاحب کا مذکورہ مقالہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی نے اپنے کتابچے موسوم بہ ''تین اہم مسائل'' میں شائع کیا ہے۔

اس تمام تفصیل سے ظاہر یہ کرنا مقصود ہے کہ اس طرح سے اس مسئلہ پر پہلی مرتبہ ایک نیا نقطہ نظر پیدا ضرور ہو گیا تھا(۷) اگرچہ اسے چنداں اہمیت حاصل نہ ہوئی' کیونکہ برطانوی ہند میں جن علاقوں میں قانونِ شرعی نفاذ پذیر تھا وہاں بھی قانوناً قرآن و سنت کی کوئی نئی اور متقدمین کے مخالف تعبیر درخورِ اعتناء نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔ (۸)

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں پنجاب میں شریعت ایکٹ
West Punjab Muslim Personal Law (Shariat) Application Act (IX of 1948)
نافذ ہوا۔ عوام مدتِ دراز سے رواجی ہندو قانون سے مانوس و مالوف ہو چکے تھے اور اس رواجی قانون نے بہت

سے دیگر عوامل کے ساتھ مل کر ایک خاص قسم کا معاشرتی و معاشی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ اسلامی قانونِ وراثت کی تفصیلات بہت سے دوسرے احکامِ اسلامی کی طرح اَذہان وقلوب سے اوجھل ہو چکی تھیں اور لے دے کر عام لوگوں کو صرف اتنا یاد رہ گیا تھا کہ اسلامی قانونِ وراثت میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی حصہ دیا جاتا ہے، اور صرف اتنی سی بات کا تدارک حیلہ جو طبائع کے لیے مشکل نہ تھا، لیکن اب جو یہ قانون نافذ ہوا اور اس کے مختلف گوشے سامنے آئے تو کہیں حصہ دینا مکروہ نظر آنے لگا اور کہیں نہ دینا غیر معقول معلوم ہونے لگا۔ غیر اسلامی ذہنیتوں کو اپنی بجائے اسلامی قانونِ وراثت میں ناہمواریاں دکھائی دینے لگیں۔ اسلام سے جہالت اور لاعلمی نے اس پر مزید اضافہ یہ کیا کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ جس طرح بیٹی کو کسی حیلہ سے اس کے حصہ سے محروم کرنا شرعی گناہ ہے اسی طرح محجوب الارث کو ہبہ وغیرہ کے ذریعے کچھ دینا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ اور ستم پر ستم یہ ہوا کہ بعض غرض مندوں نے عوام کی اس جہالت اور لاعلمی کو خوب exploit کیا اور مسئلہ اصولی سے زیادہ ذاتی بن کر رہ گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تحقیق حق و اصلاحِ احوال کی بجائے فتح وشکست کے نظریوں سے اس پر غور کیا جانے لگا۔ خصوصاً دسمبر ۱۹۵۳ء میں پنجاب اسمبلی میں زیرِ غور لائے جانے کے بعد سے تو یہ مسئلہ (problem) کے بجائے مقابلہ (test) کی شکل اختیار کر گیا۔

یہ تو اس مسئلہ کے پیدا ہونے اور شدت اختیار کرنے کے سماجی، سیاسی اور تاریخی اسباب و حالات کے متعلق ضروری تفصیلات تھیں۔ اب ہم پھر اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں، یعنی ان نئے دلائل اور اصول وقواعد سے بحث جن کی رو سے یتیم پوتا محجوب الارث نہیں ٹھہرتا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی نے اس مسئلہ پر جو پبلک آراء شائع کی ہیں اس میں بعض حضرات نے تو صاف قانونِ شریعت کو سرے سے ناقابلِ تسلیم کہہ دیا ہے۔ دیکھئے ''Opinions'' کا صفحہ ۸۴

(۲) تین اہم مسائل، ص ۱۶۱، نیز اسی کتاب کا صفحہ ۷۔۹

(۳) ایضاً، ص ۲۰۸

(۴) تاریخ فقہ اسلامی، ص ۴۲۰

(۵) كتاب الام، شافعیؒ، ج ۷، ص ۲۵۰

(۶) تاریخ فقہ اسلامی، ص ۲۵۸ تا ۲۶۰

(۷) ایک ''اہل علم'' کی زبانی معلوم ہوا کہ مشہور روسی عالم موسیٰ جار اللہ نے اپنی کتاب ''صحيفة الفرائض'' میں اس مسئلہ پر کچھ لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاشِ بسیار کے یہ کتاب کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی اور نہ اس مصنف کے دلائل کا ''اہل علم ممدوح'' نے باوجود میرے خط لکھنے کے کچھ پتہ دیا —— حالانکہ ان کے پاس کتابِ مذکور بقول ان کے موجود تھی اور میں بوجہ بُعدِ مسافت ان تک پہنچ نہ سکا۔

(۸) مُلّا کا محمڈن لاء (انگریزی) صفحہ ۲۷۔۲۸، دفعات ۳۴ تا ۳۶۔

باب دوم

اجتہادِ نو

فصل اوّل : پہلی دلیل

مجموعی طور پر اس مسئلہ پر جو جدید دلائل تحریر یا تقریر کے ذریعے عوام تک پہنچے ہیں، ان سے اس باب کی تین فصلوں میں بحث کی جائے گی۔ یہ دلائل حسب ذیل ہیں: (۱)

(۱) ’’فقہاء‘‘ سے ’’اقرب‘‘ کا مفہوم تعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہے، کیونکہ اگر اقرب کے معنی مطلقاً درجہ کے لحاظ سے قریب کے لیے جائیں تو وراثت کے بہت سے مسلّمہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جاتے ہیں، مثلاً نیچے کی مثال میں دادا کو بیٹے کی موجودگی میں بھی حصہ ملا ہے، حالانکہ بیٹا بہ نسبت دادا کے میت کا اقرب ہے۔

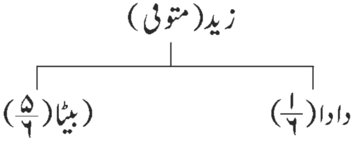

اسی طرح سے اور بھی قدم قدم پر اس پر اعتراض ہو سکتے ہیں، لہٰذا قاعدہ ’’**الاقرب فالاقرب**‘‘ (جو تقسیمِ وراثت کا اصل الاصول اور بنیادی قاعدہ ہے) میں اقرب کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ’’اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلاواسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ، لیکن بوقتِ وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہ ہو(۲)۔ اقرب کے یہی اور صرف یہی معنی لینے پر ہی یہ قاعدہ قانونِ وراثت میں ٹھیک طور پر چل سکتا ہے اور اس مفہوم کی رو سے یتیم پوتا بھی اپنے چچا سے محجوب نہیں ہو سکتا۔‘‘

یہ مختصر خلاصہ ہے مولانا جیراجپوری صاحب کے مقالہ ’’محجوب الارث‘‘ کا۔ اور قریب قریب یہی مفہوم خواجہ احمد الدین صاحب کے رسالہ ’’**الوراثة فی القرآن**‘‘ سے حاصل ہوتا ہے(۳)۔ اور اگرچہ مقالہ مذکورہ نہایت سنجیدہ اور علمی و فقہی انداز میں لکھا گیا ہے، لیکن بغائر مطالعہ کرنے سے اس میں چند غلط فہمیاں نظر آتی ہیں۔

اول تو قاعدہ **الاقرب فالاقرب**، جس پر انہوں نے اعتراضات قائم کیے ہیں، کسی کے نزدیک بھی فقہ فرائض کا اولین بنیادی قاعدہ نہیں ہے، جیسا کہ اسی مقالہ کے حصہ اوّل کے باب دوم و سوم میں بیان ہو چکا ہے۔ سب سے مقدم کلیہ تقدیم ذوی الفروض کا ہے۔ اس کے بعد دوسرا کلیہ ’’**تقدیم بالجھة**‘‘ کا ہے (اور یہ دونوں کلیے اور ان کی ترتیب آیاتِ میراث کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتی ہے)۔ اس کے بعد تیسرے درجہ پر قاعدہ ’’**الاقرب فالاقرب**‘‘ ہے۔ چونکہ پہلے دونوں کلیے مقدم ہیں، اسی لیے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے فقہ اہل السنّت میں پہلے ورثاء کو ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیم کیا گیا ہے اور قاعدہ مذکورہ اس کے بعد نافذ ہوتا ہے —— اسی طرح فقہ جعفری میں دونوں ابتدائی کلیوں کا لحاظ ورثاء کی طبقہ بندی میں کر لیا گیا ہے اور قاعدہ **الاقرب**

فالاقرب اس کے بعد نافذ ہوتا ہے‘ یعنی طبقوں پر نہیں بلکہ ذیلی اصناف پر۔

گویا فقہ حنفی ہو یا جعفری‘ ہر دو کے نزدیک جہاں کہیں **قاعدہ الاقرب فالاقرب** پہلے دوکلیوں سے متصادم ہوگا تو اسے ترک کر دیا جائے گا دیکھئے درج ذیل مثال:

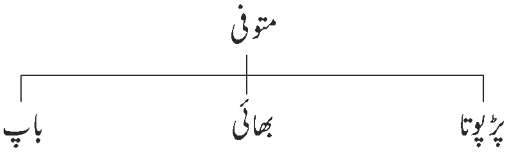

اس مثال میں فقہ حنفی کی رو سے باپ کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے صرف ایک متعین حصہ ($\frac{1}{6}$) ہی دیا جائے گا اور قاعدہ اقربیت کی بنا پر اسے تمام جائیداد کا مالک نہیں بنا دیا جائے گا۔ اب باقی جائیداد کے لیے بظاہر بھائی پڑپوتے سے قریبی نظر آتا ہے‘ لیکن یہاں پر قاعدۂ اقربیت تقدیم بالجہتہ کے قاعدے سے متصادم ہوتا ہے۔ بھائی جہت اطراف میں سے ہے اور پڑپوتا جہت اصول میں سے اور قرآن نے جہت اصول (اولاد) کے ہوتے ہوئے اطراف (بھائی بہن) کو محروم رکھا ہے (۴) لہٰذا یہاں بھی یہ قاعدہ الاقرب فالاقرب جاری نہ ہوگا بلکہ بلحاظ تقدیم بالجہتہ پڑپوتا بقایا جائیداد کا مالک ہوگا —— اسی مثال میں فقہ جعفری کی رو سے تقدیم ذوی الفروض اور تقدیم بالجہتہ کا خیال رکھتے ہوئے باپ اور پڑپوتا طبقہ اول میں رکھے گئے اور بھائی بلحاظ جہت ہر دو سے مؤخر ہونے کے طبقہ دوم میں رہ کر مجوب ہو جائے گا اور باپ اور پڑپوتا چونکہ ایک ہی طبقے کے ہیں‘ لہٰذا ان پر قاعدہ الاقرب فالاقرب جاری نہ ہوگا اور باپ اپنا مقررہ حصہ $\frac{1}{6}$ پائے گا اور باقی پڑپوتا لے گا۔ (نتیجہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے‘ صرف طریق استدلال میں فرق ہے۔)

اب مولانا جیراجپوری صاحب سے پہلی غلطی تو یہ ہوئی کہ انہوں نے **قاعدہ الاقرب فالاقرب** کو اصل الاصول اور بنیادی قانون فرض کر لیا(۵) اور دوسری غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے جس قدر مثالیں اس قاعدہ کے علیٰ ظاہر المراد غلط ہونے پر پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ایسی ہیں جن میں یا تو مختلف کلیات کا تصادم ہوتا ہے یا وہ اجماعی طور پر مسلّمہ نہیں ہیں۔ (۶) مثلاً ان کی دادا اور بیٹے کی مثال جو ابھی گزشتہ صفحہ پر بیان ہوئی ہے اس میں شیعہ کے نزدیک فی الواقع دادا کو کچھ نہیں ملتا —— اسی طرح انہوں نے ’’مسئلہ مشترکہ‘‘(۷) کی جو مثال دی ہے وہ بھی متنازعہ فیہ ہے۔ (احناف وشوافع کے درمیان)(۸) اور یہی حال باقی مثالوں کا ہے۔

اب ہم مولانائے موصوف کے ’’اقرب‘‘ کے جدید مفہوم کو لیتے ہیں۔ بلاواسطہ رشتہ دار کے اقرب ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ رہا بالواسطہ رشتہ دار ہونا تو اس میں فقہاء کے نزدیک ’’اقرب وہ ہے جو بلحاظ رشتہ میت سے زیادہ نزدیک ہو‘‘ (من هو ادنى قرابة الى الميت منه)(۹)۔ صاف ظاہر ہے کہ جب بالواسطہ رشتہ داروں میں سے زیادہ نزدیک کا رشتہ دار اقرب ہے تو بلاواسطہ رشتہ دار بالواسطہ رشتہ دار کے مقابلے پر یقیناً اقرب ہی رہے گا۔ اور اقربیت کا یہی مفہوم وراثت میں ہی نہیں نکاح وغیرہ امور میں بھی لیا جاتا ہے اور ولی نکاح کے

بارے میں بھی ''الاقرب فالاقرب'' کا اصول استعمال ہوتا ہے (۱۰)—— لیکن مولانا جیراجپوری صاحب کی تعریف کے مطابق درمیانی واسطہ اٹھ جانے سے بالواسطہ اور بلاواسطہ رشتہ دار ایک ہی درجہ کے ہو جاتے ہیں۔ گویا اس طرح کسی عورت کے بھائی کی موجودگی میں اس کا خردسال یتیم بھتیجا اس کا (اپنی پھوپھی کا) نکاح کر کے دے سکتا ہے —— خیر یہ نکاح کا معاملہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ہمارا اصل مقصد احکامِ میراث میں اقرب کے اس نئے مفہوم کے مضمرات کا جائزہ لینا ہے۔

مولانا جیراجپوری صاحب اور ''طلوعِ اسلام'' کے نزدیک اس قاعدہ کا اطلاق یوں ہوگا۔

دیکھئے مثال:

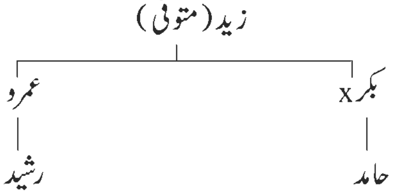

(زید متوفی کی زندگی میں مرنے والوں کے نام کے ساتھ x کا نشان بنا دیا گیا ہے)

عمرو تو اقرب کی تعریف کے پہلے جزء (بلاواسطہ رشتہ دار ہونا) کے باعث اقرب ہے —— حامد اقرب کی اس نئی تعریف کے دوسرے جزء (بوقت وفاتِ مورث درمیانی واسطہ موجود نہ ہونا) کی بناء پر اقرب ہے' لہٰذا دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید مرحوم بکر کا حصہ نکال کر حامد کو دیا جا رہا ہے' لیکن اوّل تو مولانا موصوف نے خود ہی اپنے مقالہ میں ایک جگہ وراثت کی ایک مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''لیکن ایک بدبخت یتیم پوتا ہی ہے جو اپنے باپ کی عدم موجودگی میں اس کی بجائے اپنے چچا کا بھائی قرار نہیں دیا جا سکتا:
>
> بست شکر بمستاں داد و چشمت مے بمیخواراں
> منم کز غایتِ حرماں نہ با آنم نہ با اینم (۱۱)''

اس سے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد مردہ کا حصہ نکالنا نہیں بلکہ یتیم بھتیجے کو چچا کا بھائی بنا کر حصہ دلانا ہے اور اقربیت کا یہ نیا مفہوم بھی اسی بات کا متقاضی ہے۔ تاہم ''طلوعِ اسلام'' کی مندرجہ ذیل عبارت مزید وضاحت کر دیتی ہے۔ مندرجہ بالا مثال ہی کو سمجھانے کے بعد لکھا ہے —— ''مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ تم زید کے مرنے پر اس کے فوت شدہ بیٹے بکر کا حصہ نکال کر حامد کو دیتے ہو' یہ غلط ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ بکر کا حصہ کون نکالتا ہے؟ حصہ صرف اس کا ہوتا ہے جو متوفی کی وفات کے وقت زندہ موجود ہو' مردوں کے حصے کوئی نہیں نکالتا۔ قرآن کی رو سے حامد اپنے دادا (زید) کے ترکے میں حق دار ہے' اس لیے حامد کو خود اس کا حصہ ملتا ہے نہ کہ اس کے متوفی باپ بکر کا حصہ۔ اگر بکر کا حصہ نکلتا تو اس کی بیوہ کو کچھ مل جاتا' لیکن جب بکر کا حصہ ہی نہیں تو بیوہ یا بکر کے دوسرے رشتہ داروں کو کیا ملے گا؟ پھر سن رکھیے کہ حامد کو براہِ راست (زید کے ترکے سے) اپنا حصہ ملتا ہے نا کہ اپنے متوفی

باپ (بکر) کا حصہ۔''(۱۲)

بات تو واضح ہے کہ بھتیجے کو براہِ راست یعنی چچا کا بھائی بنا کر حصہ ملے گا' لیکن اب دیکھئے کہ یہ ''نیا قرآنی نظریہ'' کس قدر مغالطے اپنے اندر مضمر رکھتا ہے۔ اب تک ہمارے سامنے صرف ایک ایسی مثال تھی جس میں ایک چچا اور ایک یتیم بھتیجا موجود ہوں۔ اب چند نئی مثالیں لیجیے۔

مثال نمبر۱:

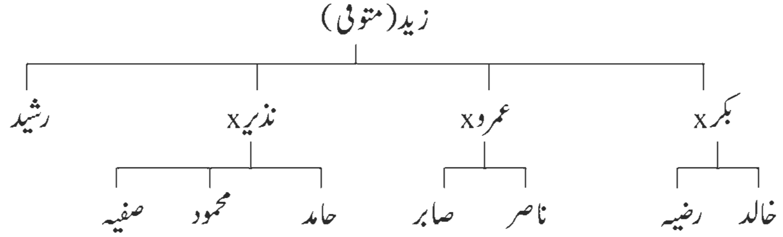

(زید متوفی کی زندگی میں مرنے والوں کے ناموں کے ساتھ x کا نشان ہے)

گویا اس مثال میں رشید کے سات بھتیجے اور بھتیجیاں اس کے بھائی بہن کر اس کے ساتھ زید (دادا) کی جائیداد سے حصہ پائیں گے' کیونکہ درمیانی واسطہ اُٹھ جانے سے وہ رشید کے درجے کے اقرب بن گئے ہیں —— اس طرح رشید کو کل جائیداد کا $\frac{۱}{۷}$ حصہ ملے گا' حالانکہ اگر اس کے بھائی زندہ ہوتے جب بھی اسے $\frac{۱}{۴}$ ملتا۔ یہ کس بات کی سزا؟ کیا چچاؤں سے گزشتہ تیرہ سو برس کا بدلہ لینے کے لیے تو یہ فارمولا تیار نہیں کیا گیا؟

پھر اسی قاعدے کی رو سے بیٹیوں کی وفات کی صورت میں ان کی اولاد بھی اپنے ماموؤں کے ساتھ اقرب ہو کر نانا کی جائیداد سے حصہ پائے گی۔

مثال نمبر۲:

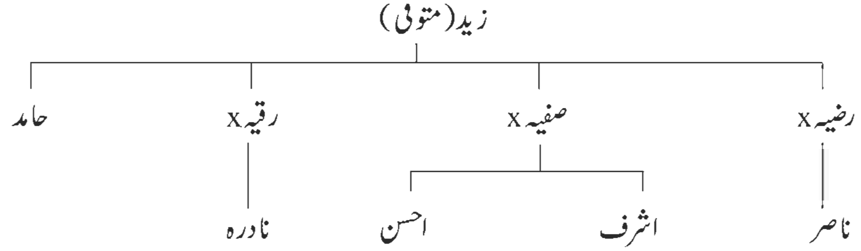

(زید متوفی کی زندگی میں مرنے والوں کے ناموں کے ساتھ x کا نشان ہے)

اس مثال میں اس جدید اجتہاد کی رو سے حامد کی تینوں مرحوم بہنوں کی اولاد اس کے ساتھ بھائی بہن بن کر حصہ پائے گی اور اس طرح حامد کو' جو بصورتِ دیگر کُل جائیداد کا مالک ہوتا' اس میں سے صرف $\frac{۲}{۹}$ حصہ ملے گا۔ حالانکہ اگر اس کی تینوں بہنیں زندہ ہوتیں جب بھی اسے $\frac{۲}{۵}$ حصہ ملتا۔ یہ تقسیم کیونکر معقول ہو سکتی ہے جس میں اکلوتے بیٹے کے ہوتے ہوئے $\frac{۷}{۹}$ حصہ جائیداد دوسرے خاندان میں جا رہا ہے —— خیال رہے کہ فقہ

جعفری میں اگرچہ بیٹیوں کی اولاد کو بھی حصہ ملتا ہے اور پھوپھی اپنے یتیم بھتیجوں کو بھی مجوب کر سکتی ہے، لیکن موجودہ صورتِ مسئلہ میں ان کے نزدیک بھی تمام جائیداد حامد کی ہو گی۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ ذرا غور کریں تو یہ درمیانی واسطے کے اٹھ جانے پر نیچے اوپر سب کو ایک ہی درجہ دے دینے پر بعض دفعہ کسی اکلوتے لڑکے کے ساتھ اس کے چچا زادوں کی اولاد بھی شامل ہو سکتی ہے۔ الغرض قانونی اور فقہی نقطہ نظر سے یہ فارمولا یا اصول کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ مرنے والے بیٹے کا صرف ایک بیٹا ہی باقی رہ گیا ہو۔

مقامِ غور ہے کہ فقہائے متقدمین پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے —— اور وہ ایک حد تک بجا بھی کہا جا سکتا ہے —— کہ وہ اکثر مسائل کی ناممکن الوقوع اور شاذ و نادر صورتوں پر بھی غور کر کے ان کے جوابات کتابوں میں لکھتے ہیں اور اس ذہنی عیاشی سے سوائے فکری انتشار کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا —— لیکن کم از کم یہ عادت کسی قائم کردہ کلیہ کے تمام ممکن اثرات سے تو آگاہ کرتی ہے —— کیا صرف ایک مثال سامنے رکھ کر کوئی نیا قاعدہ یا اصول بنا دینا جو دو قدم بھی آگے نہ چل سکے —— یہ اس علمی ہیضہ سے زیادہ خطرناک نہیں ہے؟

فصل دوم: اصول قائم مقامی پر بحث

نئے مکتبِ خیال کے مفکّرین کی طرف سے اس مسئلہ پر ایک اور ''قرآنی'' دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ:

> ''آیۂ مبارکہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ میں اولاد سے مراد صرف بیٹے بیٹیاں ہی نہیں، بلکہ ان کی اولاد اور اولاد در اولاد سب اس میں شامل ہیں اور اس بات کے خود تمام مفسرین وفقہاء بھی قائل ہیں۔ تو جس طرح بحکم آیۂ مبارکہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾ ماں کے علاوہ نانی، دادی اور اوپر تک تمام مائیں بنص حرام ہیں اور جس طرح ﴿وَبَنٰتُكُمْ﴾ میں بیٹی کے علاوہ پوتی نواسی اور نیچے تک تمام بچیوں کی حرمت بہ نصِ قرآن آ جاتی ہے اسی طرح آیہ مبارکہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ سے اولاد الاولاد کا حق وراثت بنص ثابت ہے۔ اور جب فقہاء میں سے کوئی بھی **ولد الولد کالولد** کا منکر نہیں ہے تو ولد (بیٹے) کی عدم موجودگی میں ولد الولد (پوتا) اس کا قائم مقام سمجھا جائے گا اور قرآن نے جو حصہ ولد کے لیے مقرر کیا ہے وہ اسے ملے گا۔''(۱۳)

مطلق اولاد الاولاد کا حق وراثت تو واقعی بالنص ثابت ہے۔ لیکن یہ ''مفکّرینِ قرآن'' کا نیا انکشاف نہیں ہے۔ اس کا جب منکر ہی کوئی نہیں تو ثابت کرنے کا کیا مطلب؟ دیکھئے جب کسی آدمی کے صرف پوتے موجود ہوں تو کوئی بھی انہیں یہ کہہ کر محروم نہیں کرتا کہ یہ تو پوتے ہیں بیٹے نہیں —— اسی طرح ''**ولد الولد کالولد**'' کا بھی کسی نے انکار نہیں کیا، البتہ اس میں اتنا اختلاف ضرور ہے کہ شیعہ کے نزدیک بیٹی کی اولاد بھی اولاد شمار ہوتی ہے اور اہل سنت کے نزدیک بیٹی کی اولاد گو مجازاً اولاد ہی ہے، لیکن حقیقتاً وہ کسی دوسرے کی اولاد ہے، اس لیے وراثت میں صرف بیٹے کی اولاد ہی اولاد شمار ہو گی۔ اگرچہ بیٹوں کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیٹیوں کی اولاد بھی اپنے موقع پر وراثت کی حقدار تصور کی جاتی ہے —— لیکن یہاں جس ولد الولد (یتیم پوتے) کی بحث ہو رہی ہے اس کے متعلق تو کسی کو اختلاف نہیں ہے —— اولاد الاولاد کا اولاد ہونا تو ایسی بدیہی سی بات ہے کہ اس کا انکار کرنا

یا اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرنا شاید خللِ دماغ سمجھا جائے۔

بات دراصل ولد کی عدم موجودگی میں ولد الولد کی حیثیت قائم مقامی کی ہے اور اسی پر تو یہ سب مشکل پڑ رہی ہے' لہٰذا اب یہاں اسلامی قانون وراثت میں نظریہ قائم مقامی (Representation) پر بحث کرنا ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ'' میں اصل مرکزی نقطہ یہی اصول قائم مقامی ہے۔ اگر اسلامی قانونِ وراثت میں اس نظریہ کو جگہ دی جا سکتی ہے تو پھر مسئلہ صاف ہے' اور اگر اس قانون میں اصولِ نیابت کے لیے جگہ نہیں تو پھر یتیم پوتے کا حق وراثت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ مولانا جیراجپوری صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے...... ''حق یہ ہے کہ وراثت کا سارا دار و مدار قائم مقامی پر ہے۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں اسی اصل نکتہ یعنی قائم مقامی کا لحاظ نہیں رکھا جس کی وجہ سے ایسی عظیم الشان غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ یتیم بچوں کو محجوب کرنے لگے۔''(۱۴)

لیکن نظریہ قائم مقامی صرف زمانہ حال کا کوئی علمی انکشاف نہیں ہے' بلکہ یہ اصول ہر زمانے کے اسلامی فقہاء کے سامنے موجود تھا۔ لیکن سب نے ہی اسے نظر انداز کیا(۱۵) اور دانستہ ایسا کیا۔ اور کسی بھی مکتب خیال کے قانون دانوں (فقہاء) نے اسے بطور قاعدہ کلیہ تسلیم نہ کیا۔ آخر اس کی وجہ؟ افسوس ہے کہ اس کیوں کا جواب کہیں نہیں دیا گیا۔ حال ہی میں ایک مصری فاضل نے اپنی کتاب ''المقارنات التشریعیة'' میں اس پر بحث کے لیے ایک صفحہ وقف کیا ہے' لیکن یہ بھی نہایت تشنہ' نامکمل اور غیر واضح بحث ہے(۱۶)۔ اس لیے مزید وضاحت ضروری ہے(۱۷) **فنتوکل علی اللّٰہ**۔

وراثت میں قائم مقامی کے دو ہی پہلو ہو سکتے ہیں:

(۱) نوعی قائم مقامی یعنی شخص متوفی کے وارث یا وارثوں میں سے ہر ایک کو اس کی جگہ رکھ کر اسے وہی درجہ دیا جائے جو شخص متوفی کا تھا۔

(۲) انفرادی یا شخصی قائم مقامی یعنی شخص متوفی کا حصہ نکال کر اس کے ہونے والے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

پہلی قسم کی قائم مقامی اسلامی قانونِ وراثت میں نہایت محدود طریقے پر ممکن العمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے چھ اصلی وارثوں (بیٹا۔ بیٹی۔ ماں۔ باپ۔ خاوند۔ بیوی) میں سے جو بھی ہو گا اسے تو لازماً حصہ ملے گا۔ اب ان میں سے کسی کے نہ ہونے پر اس کے قائم مقام کا سوال پیدا ہوتا ہے تو خاوند اور بیوی کا تو قائم مقام کوئی ہو نہیں سکتا۔ باپ اور ماں کا قائم مقام البتہ ایک ہی ایک شخص ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی میں باپ کی عدم موجودگی میں دادا بحیثیت باپ کے حصہ پاتا ہے اور ماں کی عدم موجودگی میں نانی وہی ماں کا حصہ پاتی ہے ــــ بیٹے بیٹی کے قائم مقام متعدد ہو سکتے ہیں' لہٰذا ان میں یہ قائم مقامی چل ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اگر بیٹے بیٹی کے تمام قائم مقاموں کو اپنے سے اوپر کے درجے کے بیٹے کی طرح سمجھ لیا جائے تو جو نتیجہ نکلے گا اس سے ہم

ابھی گزشتہ فصل میں بحث کر چکے ہیں۔ (۱۸)

دوسری قسم کی قائم مقامی اسلامی احکامِ وراثت کے لیے سراسر اجنبی اور ناسازگار ہے۔ یہ قائم مقامی ان تمام نظام ہائے وراثت میں تو چل سکتی ہے جہاں اولاد کے ہوتے ہوئے باقی کسی وارث کا حق وراثت تسلیم نہ کیا جاتا ہو' مثلاً ہندو رواجی قانون —— یا فرانسیسی قانون (۱۹) کیونکہ اس صورت میں اولاد میں سے جو مر گیا آخر اس کا وارث صرف اس کی اولاد نے ہی ہونا تھا' لہٰذا وہی حصہ آگے تقسیم کر دیا جائے گا' لیکن اسلامی قانونِ وراثت اولاد' والدین اور زوجین کو بیک وقت لازماً وارث بناتا ہے (۲۰)۔ اور مقدم الذکر ہر دو جہت کے نہ ہونے پر بھائی بہن زوجین کے ساتھ حصہ پاتے ہیں۔ گویا ہر حالت میں بیک وقت متعدد قسم کے وارث حقدارِ وراثت ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک قسم کو نظر انداز کرنا صریحاً قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا قائم مقامی میں بھی ان تمام قسم کے وارثوں کی قائم مقامی کا سوال در پیش آئے گا۔ اب اگر ان تمام قسم کے وارثوں کے ''ہونے والے وارثوں'' کا حق قائم مقامی تسلیم کیا جائے تو گویا ان چھ قسموں میں سے ہر ایک قسم کے لیے آگے پانچ پانچ قسم کے جانشینوں کو تو حق قائم مقامی دینا ضروری ہو گا۔ اس طرح سے صرف ایک ایک واسطہ سے کسی شخص متوفی کے ممکن قائم مقام تیس قسم کے وارث ہو سکتے ہیں' اور پھر عین ممکن ہے کہ یہ ''ہونے والے وارث'' (قائم مقام) خود مر کر اپنے اور ''ہونے والے وارث'' (قائم مقام) چھوڑ چکے ہوں۔ تو اندازہ لگایئے کہ اس طرح ''ہونے والے وارثوں'' کی تعیین محالات سے نہیں ہے؟ اگر تو یہ ہونے والے وارثوں کا سلسلہ صرف ایک طرف یعنی اولاد سے ہوتا تو بات آسان تھی۔ لیکن قرآنی نظامِ وراثت میں ایک عورت اپنے خاوند سے بحیثیت بیوی کے' اپنے بیٹے سے بحیثیت ماں کے' اپنے باپ سے بحیثیت بیٹی کے' تو لازماً ہی حصہ لے گی اور بعض دفعہ بھائی سے بحیثیت بہن کے یا اور متعدد صورتوں میں کسی کی وارث بن سکتی ہے' اس لیے کسی مردہ کا حصہ نکال کر اس کے ہونے والے وارثوں میں تقسیم کرنا اسلامی قانونِ وراثت کے لیے بالکل ناممکن العمل ہے —— اس کے علاوہ اسلامی قانونِ وراثت میں یہ بھی عین ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک مرنے والے کے قائم مقام ہونے والے وارث بھی وہی ہوں جو اس کی غیر موجودگی میں وارث ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں بھی قائم مقامی کے اس اصول کی لغویت ظاہر ہے۔ (۲۱)

◀ اب اس بحث کے بعد ہم دوبارہ اس دلیل کی طرف آتے ہیں کہ چونکہ ''اَوْلَادُكُمْ'' میں اولاد الاولاد بھی شامل ہے' اس لیے پوتوں کو بیٹوں کا قائم مقام بنا کر حصہ کیوں نہ دیا جائے؟

ظاہر ہے کہ اس قائم مقامی کی وہی دو صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو سب پوتوں پوتیوں کو بیٹے بیٹیاں یعنی چچا یا چچاؤں کے بھائی بہن سمجھ کر حصہ دیا جائے۔ اس نظریہ کی غلطی ابھی گزشتہ فصل میں ظاہر ہو چکی ہے (۲۲)۔ اب رہی دوسری صورت کہ اس کے مردہ باپ کا حصہ نکال کر اس کے ہونے والے وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ یہ ایسا نظریہ ہے کہ کوئی فہمِ قرآن سے بالکل عاری انسان ہی اس کا تصور کر سکتا ہے' اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ''طلوعِ اسلام'' نے بھی (جس کی رائے عموماً فکر قرآنی پر ہی مبنی ہوتی ہے)۔ تصریح کر دی ہے کہ ''مردوں کے حصے نہیں نکالے جایا کرتے'' (۲۳) آیئے اب اس کی قباحتوں اور پیچیدگیوں پر مزید غور کریں۔

◀ اول تو جب مردوں کے حصے نکالنا ہیں تو چھ اصلی وارثوں میں سے ہر ایک کا حصہ نکالنا چاہیے۔ قائم مقامی ہو تو سب کے لیے ہو یا پھر کسی کے لیے نہ ہو۔ لیکن اگر قرآنی احکام کو نظر انداز کر کے خواہ مخواہ یہ حق (قائم مقامی) صرف اولاد ہی کو دینا چاہتے ہیں — تو پھر اس میں بھی صرف یتیم پوتے ہی کے باپ کی کیا خصوصیت ہے؟ کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی کی جس قدر اولاد اس کی زندگی میں فوت ہوئی ہے سب کے حصے نہ نکالے جائیں؟ شاید یہ کہا جائے کہ ان کا تو وارث ہی باقی کوئی نہیں جو مدعی ہو (۲۴) لیکن اگر آپ قرآن کے احکام سے واقف ہیں تو آپ ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے۔ کیا ان کی ماں اور ان کے بقایا بھائی بہن ان کے وارث نہیں ہیں؟ اور اگر وہ (مرنے والے) زندہ رہتے اور باپ کی وراثت سے حصہ پانے کے بعد مرتے تو کیا یہی ان کے وارث نہ ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے احکامِ وراثت کی رو سے کسی آدمی کا بالکل لاوارث ہونا محالات سے ہے (۲۵)۔ اور اس کی مثالیں شاید ایک فی لاکھ بھی مشکل سے ملیں — اور قرآن کے احکامِ میراث اس لحاظ سے جس رحمت پر مبنی ہیں، اس کے تصور سے روح وجد میں آجاتی ہے۔

آپ جب بھی کسی مرنے والے کا حصہ نکال کر اس کے وارثوں میں تقسیم کریں گے تو آپ اس کی اولاد کے علاوہ اس کے ماں باپ، اس کی بیوی، اس کے خاوند میں سے کسی ایک کو بھی (موجود ہوتے ہوئے) قطعاً نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ورنہ یہ قرآنی احکام کی ایسی صریح خلاف ورزی ہوگی جس میں ہرگز کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ مردہ بیٹوں کے حصے میں ان کی بیواؤں کو اور مردہ بیٹیوں کے حصے میں ان کے خاوندوں کو آخر کس طرح وراثت سے محروم کیا جا سکتا ہے؟ (۲۶)

اور اگر یہ تسلیم ہے کہ قائم مقامی کا یہ اصول اسی طرح جاری کیا جائے کہ ''مرنے والوں کا حصہ نکال کر آگے ان کے موجودہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے'' — تو یہ سمجھ لیجیے کہ واضح قرآنی احکام ترک کیے بغیر اس پر عمل ناممکن ہوگا۔ بلکہ اس قانونی اور حسابی دلدل میں گھسنے سے جو عجیب و غریب صورت حال پیدا ہوگی اسے دیکھ کر آپ خود چلا اٹھیں گے۔ اس صورت میں بعض دفعہ بیوہ بہوؤں کو صلبی بیٹے یا بیٹی کے مقابلے پر زیادہ حصہ ملے گا۔ اور بعض اوقات مردہ بیٹیوں کے خاوند اور ان کی اولاد، زندہ صلبی بیٹوں اور بیٹیوں سے بھی زیادہ لے جائیں گے اور اکثر دفعہ لاینحل قسم کی حسابی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔ (۲۷)

صرف ایک مثال لیجیے۔ زید مرتا ہے اور اپنے پیچھے اپنی دو بیویاں رضیہ اور صفیہ اور ان سے کچھ اولاد اور کچھ اولاد کے وارث چھوڑتا ہے، جیسا نقشہ سے ظاہر ہے۔

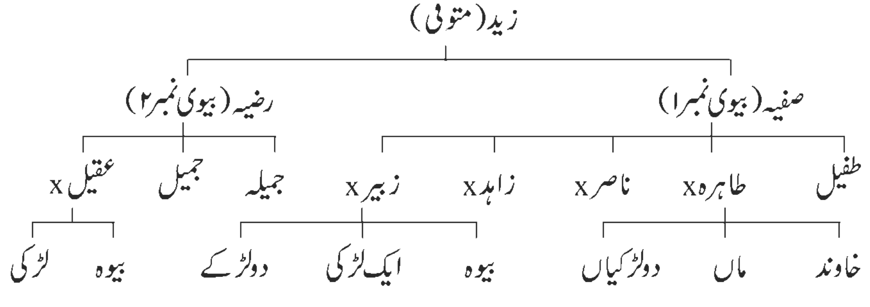

(زید متوفی کی زندگی میں مرنے والوں کے ناموں کے ساتھ x کا نشان ہے)

ذرا اس اصول قائم مقامی کی بناء پر زید کی جائیداد تقسیم کر دکھایے اور یہ کچھ ایسی نادر الوقوع مثال بھی نہیں ہے۔ (اور چلو یہ بھی فرض کر لیجیے کہ سب مرنے والے ایک ہی وقت میں مر گئے' کیونکہ اول تو اگر موت کی ترتیب کا بھی خیال کیا جائے تو ہر بعد میں مرنے والے کو سابق کی وراثت سے حسبِ قواعد حصہ ملنا چاہیے' مگر اس طرح بات اور بھی گورکھ دھندا بن جائے گی۔ لیکن اس مفروضہ کے بعد بھی مندرجہ بالا اصول قائم مقام یعنی ''مردہ کا حصہ اس کے وارثوں میں تقسیم کرنا'' کی بناء پر تقسیم ترکہ آسان کام نہیں ہے۔)(۲۸)

خیال رہے کہ ''قدیم' بوسیدہ' پیچیدہ اور دنیا کے مشکل ترین''(۲۹) قانونِ وراثت کے مطابق یہ چند سیکنڈ میں حل ہو جانے والا مسئلہ ہے۔

فقہ حنفی اور جعفری ہر دو کی رو سے صفیہ اور رضیہ ہر دو کا حصہ ہے $=\frac{۱}{۸}$، طفیل $=\frac{۷}{۸}$ کا $\frac{۲}{۵}=\frac{۷}{۲۰}$، جمیل $=\frac{۷}{۲۰}$ اور ان کی بہن جمیلہ $=\frac{۷}{۴۰}$۔ لیکن اصول قائم مقامی کو لیتے ہوئے پہلے تو جائیداد کا $\frac{۱}{۸}$ صفیہ اور رضیہ میں تقسیم ہوگا اور باقی $\frac{۷}{۸}$ زید متوفی کی کل اولاد (چھ لڑکوں اور دو لڑکیوں) میں مرد کو عورت سے دوگنا کے اصول پر تقسیم ہوگا۔ اس کے بعد طاہرہ کا حصہ اس کے خاوند' ماں اور لڑکیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ناصر کا حصہ اس کی ماں صفیہ اور بھائی بہنوں (طفیل' جمیلہ اور جمیل) میں تقسیم ہوگا' یا شیعہ طریقہ کے مطابق صرف صفیہ ہی اس کا سارا حصہ لے گی — اسی طرح باقی مردوں یعنی زاہد' زبیر اور عقیل کے حصوں کا حال ہوگا۔ ایک اچھا ریاضی دان بھی جسے حصوں وغیرہ کی شرعی تقسیم بتا دی جائے تو بھی اس صورت مسئلہ کے حل اور جواب کے لیے ضرب و تقسیم کے پیچیدہ عمل سے خاصی دیر کے بعد ہی عہدہ برآ ہو سکے گا۔ اور پھر اس تقسیم میں جو نامعقولیت ہوگی وہ الگ۔ مثال کے طور پر اس طرح تقسیم کرنے سے اسی موجودہ مثال میں صفیہ کل کا $\frac{۷}{۴۸}$ حصہ پائے گی اور زبیر کی لڑکی کو $\frac{۲۳}{۹۶۰}$ اور اس کے ہر لڑکے کو $\frac{۲۳}{۴۸۰}$ حصہ ملے گا۔ اور پورے حسابی عمل کے لیے شاید دو صفحے بھی کافی نہ ہو سکیں۔

فصل سوم: متجدّدین کے بقایا دلائل

یتیم پوتے کا حقِ وراثت اس کا حق قائم مقامی تسلیم کرنے پر منحصر ہے۔ اور قائم مقامی کی دو ممکن صورتوں پر مبنی دونوں نئی دلیلوں سے ہم گزشتہ دو فصلوں میں پوری بحث کر چکے ہیں۔ نئے نقطہ نظر کے حامی حضرات کے باقی تمام دلائل یا اعتراضات دراصل انہی دو گزشتہ دلیلوں کی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ اس لیے ان سب کا بیان اس ایک فصل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) چچا کی موجودگی میں یتیم بھتیجے (پوتے) کے محجوب الارث نہ ہونے پر جدید خیال حضرات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب فقہاء باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو باپ کا قائم مقام بنا کر حصہ دلاتے ہیں تو اسی قاعدے کی رو سے یتیم پوتے کو اس کے باپ کا قائم مقام بنا کر کیوں وارث نہیں بنایا جا سکتا؟

غالباً یہی بظاہر سب سے بڑی منصفانہ اور معقول دلیل ہے جس کا اس مسئلے کے سلسلے میں سب سے زیادہ

اعادہ کیا گیا ہے۔ خواجہ احمد الدین مرحوم' مولانا جیراجپوری صاحب اور طلوعِ اسلام نے بھی جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ (بلکہ غالباً اقرب کی نئی تعریف کا محرک بھی یہی دلیل ہے) —— اور دسمبر ۱۹۵۳ء کے بعد سے جب یہ مسئلہ اخبارات میں موضوعِ بحث بنا تو پبلک کے خطوط میں بھی اسی کو بار بار دہرایا جاتا رہا ہے اور شاید اسی دلیل نے بعض حضرات کو وراثت کے کچھ نئے فقہی اصول مرتب کرنے پر بھی آمادہ کیا جن کا ذکر ابھی اس کے بعد کیا جائے گا۔

قائم مقامی کے اصول پر مفصّل بحث کے بعد ان مغالطوں کا تجزیہ دشوار نہیں ہے جو یہ دلیل اپنے اندر پنہاں رکھتی ہے۔ بات واضح ہے کہ اصول قائم مقامی اصول وفروع میں یکساں نہیں چل سکتا۔ ایک شخص کے باپ یا دادے متعدد نہیں ہوسکتے۔ باپ کے مرنے پر دادا باپ کے درجہ پر رکھا جائے گا اور اسے وہی حصہ ملے گا جو باپ لیتا' لیکن یتیم پوتے متعدد ہوسکتے ہیں۔ اور اگر اسی اصول پر ہر ایک پوتے کو بیٹا بنا دیا جائے تو جو نتیجہ ہوگا اس سے ہم پہلے بحث کر ہی چکے ہیں۔ (۳۱)

(۲) اس سلسلے میں مفکّرینِ تجدّد کی طرف سے وراثت کا ایک نیا اصول یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ دو افراد میں سے زندہ پہلے مرنے والے کا وارث ہوگا یا دونوں ہی کسی حالت میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے (۳۲)۔ یعنی وراثت صرف دو ایسے شخصوں میں جاری ہوسکتی ہے جن میں سے اگر ایک فوت ہوجائے تو دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ مثلاً باپ اور بیٹا' بیوی اور خاوند وغیرہ کہ ایک کے مرنے پر دوسرا اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور جہاں ایسی بالمقابل وراثت کی صورت نہ ہو وہاں وراثت جاری نہیں ہوگی' مثلاً ماموں بھانجا وغیرہ کہ ایک کے مرنے پر دوسرا اس کا وارث نہیں بن سکتا —— پس دادا و پوتے میں بھی صرف ایک طرف سے وراثت جاری کرنا غلط ہے۔ یا تو دونوں طرف سے بند کیجیے یا دونوں طرف احکامِ وراثت جاری ہوں۔ یہ کیا مطلب کہ دادا تو پوتے کا وارث لیکن پوتا دادے کی وارثت سے محروم؟

دادا پوتے کی بالمقابل وراثت پر ہم پہلے لکھ چکے ہیں' البتہ یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ فاضل مفکّر کو قرآن سے اصل اصولِ وراثت سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ قرآن کا یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ وراثت صرف وہیں ہوگی جہاں دونوں طرف سے وارث بن سکنے کی اہلیت موجود ہو —— دیکھئے ایک بے اولاد بھائی کے مرنے پر دوسرا بھائی (جو صاحبِ اولاد بھی ہے) اس کا وارث بن سکتا ہے' لیکن اسی صاحبِ اولاد بھائی کے مرنے پر وہ بے اولاد بھائی اس کا وارث نہیں ہوسکتا' بلکہ اس کی اپنی اولاد وارث ہوگی۔

(۳) چچا کے اپنے یتیم بھتیجے کو محجوب نہ کر سکنے کے حق میں ایک نئی دلیل یہ بھی پیش کی گئی ہے کہ ''پوتے کا تعلق دادا سے اپنے باپ کے ذریعے سے ہوتا ہے نہ کہ چچا کے ذریعے سے' اور جب چچا کی موت اسے مورث بنانے کا سبب نہیں ہے تو اس کی موجودگی' بھتیجے کی محرومیت کا سبب بھی نہیں بن سکتی (۳۳)۔ یتیم بھتیجا اپنے چچا کا بیٹا نہیں بن جاتا کہ اس وجہ سے محروم کیا جائے' ورنہ پھر اس پر اپنے چچا کی بیٹیاں بھی (بہنیں ہوکر) حرام ہو جانی چاہئیں' حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے' تو پھر چچا اسے کس طرح وراثت سے روک سکتا ہے؟

یہ خلط مبحث ہے۔ چچا کے اپنے بیٹے اس کی زندگی کی وجہ سے مجوب ہیں اور یتیم بھتیجا اپنے باپ کے قائم مقام نہ بنائے جا سکنے کے باعث۔ ورنہ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ اپنے چچا کا بیٹا بن جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ''نئی دلیل'' ایک مناظرانہ مغالطہ سے زیادہ نہیں ہے۔

(۴) سب سے بڑی اور عامیانہ دلیل جدید ''مفکّرین'' حضرات اور معترضین کی طرف سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ ''یہ جذبۂ رحم وشفقت کے منافی ہے کہ بے آسرا یتیم کو اس جائیداد سے بھی محروم کر دیا جائے جو اس کے باپ کے زندہ رہنے کی صورت میں اسے ضرور ملتی۔'' (اس جذبہ رحم کی حقیقت کے لیے ایک دفعہ دیکھ لیجیے اسی حصہ دوم میں باب اول میں پس منظر) اگرچہ اسلامی قانونِ وراثت کی چند اصطلاحی (technical) پیچیدگیوں کی وجہ سے یتیم پوتا اپنے چچا کی موجودگی میں وراثت سے حصہ نہیں پا سکتا۔(۳۴) لیکن قرآن نے یہ کب کہا ہے کہ ''اے دادو! خبردار اپنے یتیم پوتوں کو کچھ نہ دینا''۔ قرآن کریم تو اجازت بلکہ حکم دیتا ہے (جیسا کہ ہم اگلے باب میں بیان کریں گے) کہ ایسی صورتوں میں تمہیں اس کے ممکن حصے سے بھی زیادہ دے دینے کا اختیار ہے' مثلاً دیکھئے اگر کسی آدمی کا ایک بیٹا کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو یا امیر کبیر ہو اور ایک خورد سال یتیم پوتا ہو اور وہ آدمی اپنی جائیداد کا بیشتر حصہ اس پوتے کو بطورِ ہبہ دے دے تو اسلام کی نظر میں یہ فعل ناروا نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ چاہے وہ جائیداد دادا کی خود مکسوبہ ہو یا موروثی —— حالانکہ ہمارے موجودہ قانون کی رو سے موروثی جائیداد میں دادا کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس بارے میں اصل قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ قرآنی قانونِ وراثت جن اجتماعی مصالح وحکم (مثلاً اصولِ دورانِ دولت وغیرہ) پر مبنی ہے' ان کو ایک انفرادی مصلحت پر قربان کر کے سارے قانون کے ڈھانچے کو بگاڑ دینا ظلم اور نادانی کی انتہا ہوگی' خصوصاً جب کہ ایسی انفرادی مصلحتوں کے لیے قرآن خود گنجائش ہی نہیں پیدا کرتا بلکہ ان کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یتامیٰ کے بارے میں خاص حالات میں خاص خاص قسم کے مصالح اور مراعات کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے جنہیں پورا کرنے سے قانون کی کلیت اکثر قاصر رہتی ہے۔ ان انفرادی مصالح ومراعات کے تحفظ کے لیے قرآن نے کیا احکام دیے ہیں' ان سے اگلے باب میں بحث ہوگی۔

(جاری ہے)

حواشی اور حوالہ جات

(۱) یہ دلائل اور اعتراضات مختلف طریقوں سے جمع کیے گئے ہیں۔ کچھ تو اس موضوع پر دستیاب لٹریچر سے جس کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے' کچھ اخبارات میں اس موضوع پر شائع ہونے والے خطوط سے اور کچھ پرائیویٹ بحث ومباحثہ کے دوران سنے گئے۔

(۲) تین اہم مسائل' ص ۱۸۹

(۳) الوراثۃ فی القرآن' ص ۳۸ تا ۴۰' ص ۱۲۴۔۱۲۵' نیز ص ۱۳۵

(۴) دیکھئے مقالہ ہذا پہلا حصہ' باب اول: قرآن کے احکامِ وراثت' جزو (ہ) اور باب دوم کے حواشی اور حوالہ جات

(۵) تین اہم مسائل، ص ۱۹۱

(۶) یعنی مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک

(۷) اسے مسئلہ عمریہ اور حجریہ بھی کہتے ہیں اور ان خاص پیچیدہ مسائل میں سے ہے جو ''الملقبات'' کے نام سے کتب فرائض میں بطورِ خاص ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۸) صورتِ مسئلہ اور کیفیت اختلاف کے لیے دیکھئے 'المواریث الاسلامیہ' ص ۴۴

(۹) احکام المواریث ص ۱۵۴ (مولانا جیراجپوری صاحب کی تعریف ''اقرب'' مقالہ ہذا کے دوسرے حصہ میں باب دوم، فصل اول میں پھر ایک دفعہ دیکھ لیجیے۔)

(۱۰) احکام القرآن للجصّاص، ج ۲، ص ۵۰

(۱۱) تین اہم مسائل، ص ۱۸۵

(۱۲) تین اہم مسائل، ص ۱۵۶۔۱۵۷

(۱۳) خواجہ احمد الدین مرحوم نے ''الوراثة فی القرآن'' میں متعدد جگہوں پر مختلف طریقوں سے اسی بات کو بیان کیا ہے — یہ الفاظ (اقتباس) خواجہ صاحب مرحوم کے فرزند ڈاکٹر خواجہ سخاء اللہ صاحب کے خط سے لیے گئے ہیں، جو انہوں نے میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔

(۱۴) تین اہم مسائل، ص ۱۹۰

(۱۵) نیز دیکھئے آنریبل جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس کی رائے۔ پنجاب مقنّنہ کی شائع کردہ پبلک آراء، ص ۱

(۱۶) **المقارنات التشريعية**، ج ۴، ص ۵۷

(۱۷) تعجب ہے کہ ۱۸۔۱۹۱۷ء میں جب اس مسئلہ پر بحث چھڑی تو قدیم نظریہ کے حامی علماء میں سے بھی کسی نے نظریہ قائم مقامی کی وجوہ ردّ وقبول پر کبھی بحث نہیں کی، حالانکہ اصل نکتہ یہی تھا، بلکہ اس زمانے کے ''مناظرانہ اثرات'' کے ماتحت بعض عجیب وغریب دلائل پیش کیے جاتے تھے جنہیں آج پڑھ کر آدمی ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دیکھئے اخبار اہلحدیث ۱۸ مئی ۱۹۱۷ء اور ۲۹ نومبر ۱۹۱۸ء اور مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کا اشتہار نمبر ۲ — البتہ حال ہی میں سید غلام احمد بی اے پلیڈر منٹگمری نے اپنے رسالہ ''یتیم پوتے کا حق وراثت'' کے صفحہ ۱۳ تا ۱۵ پر اس اصول سے نہایت عمدہ بحث کی ہے۔

(۱۸) مقالہ ہذا کے دوسرے حصہ میں باب دوم، فصل اول، مثال نمبر ۱، ۲

(۱۹) **المقارنات التشريعية**، ج ۴، ص ۵

(۲۰) دیکھئے مقالہ ہذا کے پہلے حصے میں باب اوّل کا آخری صفحہ۔

(۲۱) قاضی یحییٰ بن اکثم کو منصب قضاء کے چند امیدواروں کے ساتھ خلیفہ المامون کے سامنے انٹرویو کے لیے پیش کیا گیا۔ شخصیت کچھ اچھی نہ تھی۔ خلیفہ نے کوئی معمولی عالم سمجھ کر امتحاناً سوال کیا کہ ''ایک میت نے اپنے پیچھے ماں، باپ اور دو بیٹیاں چھوڑیں، پھر ان دو بیٹیوں میں سے ایک مرگئی اور وارث وہی ہیں جو پہلے میت کے تھے۔ بتاؤ وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ قاضی یحییٰ نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! مجھے اتنا بتا دیجیے کہ میت اول مرد تھا یا عورت؟'' خلیفہ قاضی کی لیاقت کو سمجھ گیا اور اسے قاضی مقرر کیا۔ اس مسئلہ کی پوری صورت دیکھنے کے لیے فتاویٰ عالمگیری، جلد دہم، کتاب الفرائض، ص ۴۷۸۔۴۷۹ دیکھئے۔

(۲۲) مقالہ ہذا کے دوسرے حصہ میں باب دوم، فصل اول، مثال نمبر۱، ۲

(۲۳) تین اہم مسائل، ص۱۵۶۔۱۵۷ نیز الوراثة فی القرآن، ص۱۳۵۔۱۳۶

(۲۴) الوراثة فی القرآن، ص۵۷

(۲۵) دیکھئے مقالہ ہذا کے پہلے حصے میں باب چہارم: وارثوں کے طبقات، ترتیب طبقات ورثاء، حاشیہ۱۰

(۲۶) غالبًا اسی لیے فقہ حنفی میں صرف پوتوں کے وارث ہونے کی صورت میں ان سب کو دادا کے بیٹے بیٹیاں بنا کر ورثہ علی الرؤس تقسیم کیا جاتا ہے (اور حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ بھی اسی کی تائید میں ہے۔ دیکھئے مقالہ ہذا کے پہلے حصہ میں باب پنجم کا پہلا صفحہ) ورنہ اگر مردوں کا حصہ نکالا جائے، یعنی تقسیم علی النسب ہو، جس طرح فقہ جعفری میں ہے، تو پھر بیوہ بہوؤں کو بھی ان کا حصہ ملنا چاہیے۔ لیکن عجب بات ہے کہ گو ایسی صورت میں شیعہ ورثہ علی النسب تقسیم کرتے ہیں لیکن بیوہ بہوؤں کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ اس کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔

(۲۷) اس قسم کی قائم مقامی سے جس قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ ترجمان القرآن بابت جنوری فروری ۱۹۵۴ء صفحات ۳۲۵ تا ۳۴۰، نیز پنجاب مقنّنہ کی جمع کردہ پبلک آراء میں سینئر سول جج مظفر گڑھ کی رائے۔ ضمیمہ آراء (supplement) ص۳ تا ۷۔

(۲۸) ہم نے اس حل اور تقسیم کی پوری عملی تفصیل کو عمداً بخوفِ طوالت ترک کر دیا ہے، لیکن اس ضمن میں رسالہ ترجمان القرآن فروری ۱۹۵۴ء کے ص ۳۲۵ تا ۳۴۰ اور سینئر سول جج مظفر گڑھ کی رائے جس کا اوپر (حاشیہ نمبر ۲۷ میں) حوالہ دیا گیا ہے، کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

(۲۹) یہ الفاظ کتاب ’’تین اہم مسائل‘‘ میں صفحہ ۱۴۳ پر موجودہ اسلامی قانون وراثت کے حق میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کا مقابلہ اسی قانون وراثت کے متعلق سر ولیم جونز (William Jones) کے تبصرہ سے کیجیے (دیکھئے مقالہ ہذا، مقدمہ میں سر ولیم جونز کا اقتباس)

(۳۰) تین اہم مسائل، ص۱۶۴، ص۱۸۵ و ص۱۸۹، ۱۹۰۔ نیز الوراثة فی القرآن، ص۶۰۔

(۳۱) مقالہ ہذا کے دوسرے حصے میں باب دوم، فصل اول، مثال نمبر۱، ۲

(۳۲۔۳۳) ۹ جنوری ۱۹۵۴ء کو وائی ایم سی اے لاہور میں مسئلہ زیر بحث پر ایک مذاکرہ کے دوران یہ دونئی دلیلیں (یعنی ۲ اور ۳ مندرجہ بالا) اس تفصیل سے سنی گئیں جس طرح یہاں بیان کی گئی ہیں۔ نیز دیکھئے اخبار ملت ۱۱ جنوری ۱۹۵۴ء (صفحہ ۱۱ کالم ۵، صفحہ ۳ کالم ۴) میں مضمون ڈاکٹر خواجہ سخاء اللہ صاحب جس میں انہی دلائل کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

(۳۴) اور قانون میں ایسی پیچیدگیاں عام ہوتی ہیں کہ ایک چیز ایک نام سے نہیں ملتی لیکن وہی چیز دوسرے نام سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ’’وراثت‘‘ کے نام پر کچھ نہ ملنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ’’کچھ ملے گا ہی نہیں‘‘۔ دیکھئے موجودہ پریس ایکٹ کی رو سے جب کوئی اخبار بند کر دیا جاتا ہے تو دوسرے ہی دن وہی اخبار اسی ایڈیٹر، اسی پریس، اسی عملہ، اسی پالیسی کے ساتھ جاری ہو جاتا ہے، صرف ’’نام‘‘ بدلنا پڑتا ہے اور خریدار بھی اسے سابق اخبار سمجھ کر پڑھتے ہیں۔

* * *

حسنِ معاشرت

بیوی کے حقوق و فرائض

(بسلسلہ اسلام میں عورت کا مقام اور میاں بیوی کے باہمی معاملات)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان☆

مہر کی مقدار کا مسئلہ (استدراک)

شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار مقرر نہیں کی، البتہ کم سے کم مہر کی مقدار مقرر کر دی ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق یہ حد دس درہم ہے، جو دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی بنتی ہے۔ اس کم سے کم مقدار کا یہ بالکل مطلب نہیں کہ اتنا مہر رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے کم مہر پر اگر عورت راضی بھی ہو جائے تو شریعت راضی نہیں اور اسے دس درہم کی مقدار کے مطابق ادائیگی کرنا ہوگی۔ اس طرح سے عورت کا وہ اعزاز و اکرام پورا نہیں ہو پاتا جو کہ شریعت کا منشا ہے۔ یہ کم سے کم مہر کی مقدار اور اس کی گنجائش عورت کی رضامندی کی صورت میں ان لوگوں کے لیے رکھی گئی ہے جو مالی لحاظ سے کمزور اور اس سے زیادہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس سے یہ قاعدہ اخذ کر لینا درست نہیں ہوگا کہ شریعت کا منشا یہی ہے کہ مہر کی مقدار اتنی ہی ہو، اور اسے اس معنی میں ’مہر شرعی‘ قرار دیا جائے۔

جن لوگوں نے موجودہ دور میں بتیس یا سوا بتیس روپے مہر باندھ کر اسے ’مہرِ شرعی‘ قرار دیا، ان سے دو غلطیاں ہوئیں۔ ایک غلطی تو یہ ہوئی کہ دس درہم کی قیمت کسی زمانے میں بتیس یا سوا بتیس روپے رہی ہوگی، انہوں نے اسے ہمیشہ کے لیے ہی سمجھ لیا۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ شریعت نے مہر کی جو کم سے کم مقدار مقرر کی تھی، اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا کہ شرعاً پسندیدہ یہی ہے کہ اس سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے، حالانکہ یہ تصور قطعاً بے بنیاد ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا، جو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے، جس کی موجودہ مالیت کا اندازہ بازار سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی متعدد ازواج مطہرات کا مہر بھی اس کے قریب قریب ہی مقرر فرمایا جو اوسط درجے میں ایک قابلِ لحاظ مقدار ہے۔ اب بعض حضرات اس ’مہر فاطمی‘ کو ہی مہر شرعی سے تعبیر کرتے ہیں اور غالباً اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں، مگر یہ خیال بھی درست نہیں۔

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات و مطالعہ پاکستان، گورنمنٹ کالج آف کامرس، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فریقین مہر فاطمی کے برابر مہر مقرر کریں اور خالص نیت یہ ہو کہ حضور ﷺ کی مقرر کردہ مہر کی مقدار بابرکت اور معتدل ہوگی، نیز اس سے اتباعِ سنت کا اجر ملنے کی بھی توقع ہے، تو یقیناً یہ جذبہ بہت مبارک اور مستحسن ہے۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا بالکل درست نہیں ہوگا کہ یہ مقدار اس معنی میں 'مہر شرعی' ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مقرر کرنا شرع میں ناپسندیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ اصول البتہ مدِّنظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو کہ جس سے بیوی کا اعزاز و اکرام بھی ہو جائے اور شوہر کی استطاعت سے بھی بالکل باہر نہ ہو۔ جن بزرگوں نے بہت زیادہ مہر باندھنے سے منع کیا، ان کا مقصد یہی تھا کہ اگر اپنی استطاعت سے بڑھ کر مہر مقرر کر لیا جائے تو وہ محض ایک کاغذی کارروائی بن کر رہ جاتی ہے، درحقیقت اسے ادا کرنے کی اکثر نوبت ہی نہیں آتی اور یہ گناہ شوہر کی گردن پر لگا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات بہت زیادہ اور اپنی حد سے بڑھ کر مہر مقرر کرنے کے پیچھے دکھاوے اور اپنی شان و شوکت کے اظہار کا غیر معمولی جذبہ ہوتا ہے، اور یہ بات بھی اسلام کے مزاج اور اس کی تعلیمات کے الٹ ہے۔ البتہ اسلامی تاریخ سے ہمیں ایک بات حاصل ہوتی ہے کہ مہر میں اگر دکھاوا مقصود نہ ہو اور ادائیگی کی نیت کے ساتھ استطاعت بھی ہو، تو زیادہ مقرر کر لینا بھی جائز ہے، لیکن ان میں سے اگر کوئی بات بھی نہ پائی جائے تو پھر زیادہ مہر مقرر کرنا شرعی قباحتوں سے خالی نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ مہر نہیں دینا تو وہ زانی ہے اور جو مہر ادا کیے بغیر مر جائے تو قیامت کے دن زانیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

مہر ادا کرنے کے آسان طریقے

وہ شوہر جنہوں نے ابھی تک مہر ادا کرنے کی فکر نہیں کی یا ان کے مہر اتنے زیادہ مقرر ہوئے تھے جو ان کی مالی استطاعت سے باہر تھے، ان کے لیے مہر کی ادائیگی کے چند آسان طریقے تجویز کیے جاتے ہیں:

(۱) عام طور سے شادی کے موقع پر شوہر کی طرف سے جو زیور بیوی کو (استعمال کے لیے) دیا جاتا ہے، اس کا مالک شوہر خود ہوتا ہے اور زکوٰۃ بھی اسی پر واجب ہوتی ہے۔ اگر صورتحال ایسی ہو تو کُل زیور میں سے مہر کی رقم کے برابر کا زیور بیوی کی ملکیت میں دے دیا جائے، اور ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی جائے کہ یہ مہر کی ادائیگی ہے، نیز اس کی زکوٰۃ بھی آپ پر واجب ہے۔

(۲) مہر کی رقم قسطوں میں تقسیم کر دی جائے اور بیوی کی رضامندی سے اس کو بتا دیا جائے کہ میں ہر ماہ اتنی رقم مہر کی ادائیگی کی قسط میں ادا کروں گا۔

(۳) شوہر جو جیب خرچ ماہانہ بیوی کو دیتا ہے اسے اعتماد میں لے کر اس میں مہر ادا کرنے کی نیت کر کے مہر کی رقم کو پورا کر دیا جائے۔

(۴) اسلامی تہوار یا کسی خوشی کے موقع پر اہلیہ کو قیمتی ہدیہ دیتے وقت بتا دیا جائے کہ یہ میں مہر کی ادائیگی کے حوالے سے دے رہا ہوں۔

یہ بڑے ظلم اور ناانصافی کی بات ہوگی کہ حق مہر کی ادائیگی سے ساری عمر بے فکر رہنے کے بعد بسترِ مرگ پر بیوی سے اس کی معافی حاصل کر لی جائے‘ جبکہ اس وقت ماحول کے جبر سے اس بے چاری کے پاس معاف کرنے کے سوا کوئی دوسری راہ اور چارہ بھی نہ رہے۔ (۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ عورت میں برکت بھی ہے اور نحوست بھی۔ عورت کی برکت اور خوبی یہ ہے کہ اس کا مہر تھوڑا ہو‘ نکاح سہولت سے کم خرچے میں ہوا ہو اور وہ خوش اخلاق اور دیندار ہو۔ اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ مہر زیادہ ہو‘ نکاح دشواری سے ہوا ہو اور وہ بداخلاق اور بے دین ہو۔ (ابوداوٗد)

بیوی کے فرائض

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیوی کے چند اہم فرائض پیشِ خدمت ہیں:

(ا) شوہر اور گھر کی نگہداشت

اس ضمن میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾ (النساء: ۳۴) ’’پھر جو عورتیں نیک ہیں‘ سو تابعدار ہیں‘ نگہبانی (نگہداشت) کرتی ہیں پیٹھ پیچھے (غیر حاضری میں) اللہ کی حفاظت سے‘‘۔ گویا نیک عورتیں وہ ہیں جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت کرتی ہیں اور مَردوں کی غیر حاضری میں بھی اپنے نفس اور ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنی عصمت اور گھر کے مال کی حفاظت‘ جو اُمورِ خانہ داری میں سب سے اہم ہیں‘ ان کے بجالانے میں ایسی عورتوں کے لیے مردوں (شوہروں) کے سامنے اور پیچھے کے حالات بالکل مساوی اور ایک جیسے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے سامنے تو اس کا پورا اہتمام کریں اور ان کی نظروں سے غائب ہوں یا وہ نظروں سے غائب ہوں‘ تو اس میں کمی‘ سستی اور لاپرواہی برتیں۔ اس حوالے سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ((خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَاِذَا اَمَرْتَهَا اَطَاعَتْكَ، وَاِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ: الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ اِلٰى آخِرِهَا)) (۲)
>
> ’’بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو تمہیں خوش کر دے‘ اور جب اس کو کوئی حکم دو تو اطاعت کرے‘ اور جب تم غائب (غیر حاضر) ہو تو اپنے نفس اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ آخر تک تلاوت فرمائی۔‘‘

چونکہ عورتوں کی یہ ذمہ داریاں کہ اپنی عفت و عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت‘ دونوں ہی آسان کام نہیں ہیں‘ اس لیے آیت میں آگے فرمایا گیا: ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾ یعنی اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ عورت کی مدد فرماتے ہیں‘

انہی کی مدد اور توفیق سے وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ ورنہ نفس اور شیطان ہر وقت ہر مرد اور عورت کو گھیرے ہوئے ہیں' اور عورتیں خصوصاً اپنی علمی اور عملی قوتوں میں بہ نسبت مردوں کے' کمزور بھی ہیں' اس کے باوجود وہ ان ذمہ داریوں میں مَردوں سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہیں' یہ سب اللہ کی توفیق اور امداد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شرمی اور بے حیائی کے کاموں میں مَردوں کی نسبت عورتیں کم مبتلا ہوتی ہیں۔ (۳)

وہ اپنے خاوندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں۔ جن چیزوں کی حفاظت کرنا واجب ہے' ان کی وہ حفاظت کرتی ہیں' جیسے عصمت و عفت' خاوندوں کے راز اور ان کے کھلے اور مخفی خزانے۔ لام' **حٰفِظٰتٌ** کا صلہ ہے۔ ابن جریر نے طلحہ بن مطرف سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی قراءت میں یوں ہے: **فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ فَاَصْلِحُوْا اِلَیْھِنَّ**۔ سدّی سے یہ نقل کیا گیا ہے: **فَاَحْسِنُوْا اِلَیْھِنَّ**۔ عام قراء نے اسم ''اللّٰہ'' کو مرفوع پڑھا ہے' اس صورت میں مَا یا تو مصدر یہ ہے' معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیب کی حفاظت کا حکم دے کر اور اس کی توفیق عطا کر کے ان کی حفاظت کی۔ یا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی طرف حفاظت کی نسبت کسب کے اعتبار سے ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق کے اعتبار سے ہے' اور پیدا کرنا کسب کا سبب ہوتا ہے۔ یا مَا موصولہ ہوگا' معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مَردوں پر مہر' نفقہ' ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان (عورتوں) کی حفاظت کو لازم کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی حدیث سطور گزشتہ میں بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے' تو اسے حکم دے تو تیری اطاعت کرے' جب تو اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے''۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (اسے امام بغوی نے روایت کیا)۔ ابن جریر نے 'مَالِكَ وَنَفْسِهَا' کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ امام نسائی' حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کون سی عورت بہترین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب تو اسے دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے' جب حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنے مال و جان میں شوہر کی ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناگوار ہو''۔ ایک روایت میں '**تحفظ فی نفسھا ومالھا**' کے الفاظ ہیں۔ امام سیوطی نے کہا کہ حدیث کے اکثر طرق میں '**فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا**' کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت ابی امامہ کی حدیث نقل کی ہے' بعض طرق میں '**فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ**' کے الفاظ ہیں۔ طیبی نے کہا کہ **مالھا** سے مراد خاوند کا مال ہے' مال کی نسبت عورت کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ باہمی قریبی تعلق ہوتا ہے اور وہی اس (مال) میں تصرف کرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا، وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا، فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ)) (۴)

’’عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے‘ رمضان کے روزے رکھے‘ اپنی عزت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے‘ تو وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔‘‘

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَیُّمَا امْرَأَۃٍ مَاتَتْ وَزَوْجُھَا رَاضٍ عَنْھَا دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ))(۵)

’’جو عورت اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہو گی۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ’’ایک آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اچھے اخلاق والی‘ محبت کرنے والی اور بچے جننے والی بیوی پالے‘ تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اور ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے کے بعد بداخلاق اور ترش زبان والی عورت مل جائے‘ تو اس سے بڑھ کر (اس کے لیے) مصیبت کوئی نہیں‘‘۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ’’مردوں کے بال بچوں کی نگہداشت اور ان کے مال کی حفاظت عورتوں کے فرائض میں شامل ہے۔‘‘(۶)

عورت پر مرد کا پہلا حق قرآن مجید نے ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے‘ جس کا بدل کسی دوسری زبان میں میسر ہی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ﴾ (النساء: ٣٤)

’’جو نیک عورتیں ہیں‘ وہ اطاعت کرنے والی اور غیب کی حفاظت کرنے والی ہیں‘ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ماتحت۔‘‘

یہاں **حفظ للغیب** سے مراد ہر اس چیز کی حفاظت کرنا ہے جو شوہر کی ہو اور اس کی غیر موجودگی میں بطور امانت عورت کے پاس رہے۔ اس میں اس (شوہر) کے نسب کی حفاظت‘ اس کے نطفہ کی حفاظت‘ اس کے مال کی حفاظت‘ اس کے رازوں کی حفاظت‘ غرض کہ سب ہی کچھ آ جاتا ہے۔(۷)

(ب) اطاعت و خدمت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِیَھُنَّ فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ: قَلْبٌ شَاکِرٌ، وَلِسَانٌ ذَاکِرٌ، وَبَدَنٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ، وَزَوْجَۃٌ لَا تَبْغِیْہِ خَوْنًا فِیْ نَفْسِھَا وَلَا مَالِہٖ))(۸)

’’ایک مرد جسے چار چیزیں عطا ہوئی ہیں‘ اسے اس جہان اور اگلے جہان کی سب سے بہتر (نعمتیں) دی گئی ہیں: شکر گزار دل‘ ذکر (اللہ) میں مصروف زبان‘ مصائب و آلام میں صبر کرنے والا جسم اور ایک ایسی بیوی جو اپنے جسم اور اس کی دولت کے بارے میں بے وفائی (خیانت) نہیں کرتی۔‘‘

اپنے شوہر کی اطاعت کرنا خاوند کے حقوق اور بیوی کے فرائض میں شامل ہے‘ از روئے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ (النساء: ٣٤) ’’پھر جو عورتیں نیک ہیں‘ (وہ اپنے شوہر کی) تابعدار ہیں‘‘۔ گویا نیک عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی قوامیت تسلیم کر کے ان کی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ماقبل

گزر چکا ہے:

((خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهَا سَرَّتْكَ وَاِذَا اَمَرْتَهَا اَطَاعَتْكَ......))

’’بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو تمہیں خوش کر دے اور جب اس کو کوئی حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے......‘‘

ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار ہو‘ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں‘ پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں۔‘‘ (بحر محیط)

اسی طرح نبی رحمت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ماقبل گزر چکا ہے: ’’جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے‘ رمضان کے روزے رکھے‘ اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرے‘ اپنے خاوند کی تابعداری کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تم چاہو‘ داخل ہو سکتی ہو۔‘‘ (مسند احمد)(۹)

خاوند کی مکمل اطاعت ہی ایک اچھی اور سچی مسلمان بیوی کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس کا دل‘ اس کی نظر اور اس کا جسم سب اس کے خاوند کے لیے ہے۔ اس حوالے سے خیانت‘ دغا بازی‘ بے وفائی اور اپنی عفت و عصمت پر داغ ایک صحیح مسلمان بیوی کا ہرگز شیوہ نہیں۔ بے وفائی کی سب سے بڑی اور قبیح صورت زنا ہے‘ غیر مرد پر شہوت بھری نظر ڈالنا بھی اسی زمرہ میں آتا ہے‘ اس سے عورت کی پاک دامنی پر گہرا حرف آتا اور سیاہ دھبہ لگتا ہے اور ازدواجی زندگی میں اس کا انجام بڑا حسرت ناک اور عبرتناک ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اَلْعَيْنُ تَزْنِيْ وَالْقَلْبُ يَزْنِيْ، فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا الْقَلْبِ التَّمَنِّي......))(۱۰)

’’آنکھیں اور دل (ودماغ) بھی زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آنکھ کا زنا نظر بازی ہے اور دل کا زنا خواہش ہے......‘‘

حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ جاتے ہوئے عورتوں کے پاس سے گزرے اور ان (عورتوں) سے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ، فَاِنِّيْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ)) فَقُلْنَ: وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ......))(۱۱)

’’اے عورتوں کے گروہ! نیکی کیا کرو‘ کیونکہ میں نے تمہاری اکثریت کو جہنم میں دیکھا ہے۔ وہ عورتیں عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! اس کی وجہ کیا ہے! تو آپؐ نے فرمایا: تم آپس میں ایک دوسرے پر بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو......‘‘(۱۲)

’’فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ‘‘ (جو نیک عورتیں ہیں وہ شوہر کی اطاعت کرنے والی ہیں) ایک عام حکم ہے‘ جس کی تشریح میں حضور اکرم ﷺ نے متعدد چیزیں بیان فرمائی ہیں:

(ا) ((وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ))(۱۳)

’’تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے ہاں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔‘‘

(ب) ((لَا تَصَدَّقُ بِشَیْءٍ مِنْ بَیْتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ، فَاِنْ فَعَلَتْ کَانَ لَہُ الْاَجْرُ وَعَلَیْھَا الْوِزْرُ، وَلَا تَخْرُجَ مِنْ بَیْتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ))(١٤)

’’وہ اس (شوہر) کے گھر میں سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ کرے‘ اگر ایسا کرے گی تو اجر شوہر کو ملے گا اور گناہ عورت پر ہوگا‘ نیز وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہ نکلے۔‘‘

(ج) ((لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَۃُ یَوْمًا وَاحِدًا وَزَوْجُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اِلَّا رَمَضَانَ))(١٥)

’’عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں رمضان کے سوا (نفل) روزے اس کی اجازت کے بغیر ایک دن کے لیے بھی نہیں رکھ سکتی۔‘‘

(د) ((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَلَمْ تَاْتِہٖ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَیْھَا، لَعَنَتْھَا الْمَلَائِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ))(١٦)

’’جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کی حالت میں رات بسر کرے تو صبح ہونے تک فرشتے اس (عورت) پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اس عام حکم اطاعت میں صرف ایک استثناء ہے کہ اگر بیوی سے اس کا شوہر اللہ کی معصیت والے کام کا مطالبہ کرے تو پھر وہ اس حکم کے ماننے سے انکار کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ فرض نماز اور روزے سے منع کرے‘ شراب پینے کا حکم دے‘ مکمل شرعی پردہ ترک کرنے کا حکم دے یا بیوی سے فواحش کا ارتکاب کرانا چاہے وغیرہ‘ تو عورت نہ صرف اس بات کی مجاز ہے‘ بلکہ اس کا فرض بھی ہے کہ شوہر کے ہر ایسے حکم کو ٹھکرا دے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ))(۱۷)

’’خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت (کرنا) جائز نہیں۔‘‘(۱۸)

ہر شوہر کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر خوشیوں کا مرکز ہو اور سب گھر والے اس میں شریک ہوں‘ لیکن جو بات اس مسرت و انبساط کو حزن میں تبدیل کر دیتی ہے‘ وہ بیوی کا اپنے شوہر کی اطاعت نہ کرنا‘ ناروا سلوک اور اس کی نافرمانی ہے۔ ایسی بیوی برتر رتبے کے مقام پر بیٹھ کر ہمیشہ اپنی رائے اور خواہش ہی کو مدِّنظر رکھتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ خاوند اس کے ہر حکم اور خواہش پر سرِ تسلیم خم کرے اور اپنی رائے اور چاہت کو درمیان میں نہ لائے۔ اس طرح سے بیویاں اس حقیقت کو بھول جاتی ہیں کہ وہ اور ان کے شوہر گھریلو زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں‘ جن میں سے ایک پہیہ میں بھی خرابی اور کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو گاڑی کا صحیح طور پر روانی سے چلنا امر محال ہے۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والی عورتیں خود اپنی زندگی اور گھر کی بربادی کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ایسی یک طرفہ سوچ خوشی بھرے گھر کو ویرانے میں تبدیل کر دیتی ہے‘ جہاں محبت اور فرحت کی بجائے عداوت‘ بغض اور نفرت کا ڈیرہ ہوتا ہے‘ اور وہی مثل صادق آتی ہے کہ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔

اس ضمن میں فرمانِ خداوندی ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ﴾ (النساء: ٣٤) ''مرد عورتوں پر منتظم ہیں''۔ اسی آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ 'پھر جو عورتیں نیک ہیں' وہ تابعدار/فرمانبردار ہوتی ہیں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ (البقرة: ٢٢٨)

''اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں قاعدہ/ضابطہ کے ساتھ اور مَردوں کو عورتوں پر (ایک گونہ) فضیلت حاصل ہے۔''

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا لَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ عَلَیْهَا مِنَ الْحَقِّ)) (١٩)

''(کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے) اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے' اس پر اللہ نے خاوند کے جو حقوق رکھے ہیں ان کی بنا پر۔''

اس حدیث میں شوہر کی اطاعت کے وجوب کو دراصل از راہِ مبالغہ بیان کیا گیا ہے' ورنہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کی کسی حالت میں بھی گنجائش نہیں۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تُؤَدِّی الْمَرْاَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰی تُؤَدِّیَ حَقَّ زَوْجِهَا، حَتّٰی لَوْ سَاَلَهَا نَفْسَهَا وَهِیَ عَلٰی قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعْهُ)) (٢٠)

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' عورت اپنے رب کا حق ادا نہیں کر سکتی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر شوہر اس سے اپنی خواہش کا اظہار کرے اور وہ (عورت) اونٹ پر سوار ہو تب بھی اسے انکار نہ کرے۔''

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک عورت سے پوچھا کہ کیا تو شوہر والی ہے؟ (یعنی کسی کی بیوی ہے؟) اس نے کہا کہ ہاں' (تو) آپؐ نے پوچھا کہ تو اپنے خاوند کی کتنی خدمت کرتی ہے اور کس قدر حقوق ادا کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان کے حق کی ادائیگی میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کرتی ہوں۔ (اس پر) آپؐ نے فرمایا: ''پس تو دیکھ لے کہ تو اس (خاوند) کے حقوق کہاں تک ادا کرتی ہے؟ کیونکہ وہ تیری جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔'' (سنن النسائی' مسند احمد)

ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ عورتوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ عورتوں کا غزوہ و جہاد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ شوہر کی اطاعت اور اس کے احسان کا اعتراف۔ (بیہقی' ج ٦) اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورت آخرت کی نجات اور جنت چاہتی ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرے' اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوتی جب تک اس کا خاوند اس کے کام (تابعداری) سے خوش نہ ہو۔ (طبرانی)

اسی اطاعت و خدمت میں وہ چیزیں/باتیں بھی آ جاتی ہیں جو کہے بغیر کی جائیں، جیسے مرد اور بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے معاملات کا بندوبست وغیرہ۔ اس حوالے سے ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

(ا) ''گھروں کی دیکھ بھال تمہاری (عورتوں کی) ذمہ داری ہے، یہی تمہارا عمل جہاد ہے۔'' (مسند احمد)

(ب) ''جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہو کہ اس کا (مؤمن اور بااخلاق) شوہر اس (کی اطاعت و خدمت) سے خوش ہو، تو وہ جنت میں جائے گی''۔ (جامع ترمذی)

(ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بیوی کا شوہر کی خدمت کرنا صدقہ ہے۔'' (کنز العمال)

(د) حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو عورت اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اس کے حقوق ادا کرے، نیک باتوں کو یاد کرے، نفس اور مال کی خیانت سے پرہیز کرے، تو ایسی عورت کا جنت میں شہیدوں سے ایک درجہ کم ہوگا۔ اگر شوہر اس کا مؤمن اور بہتر اخلاق والا ہے تو یہ عورت اسے ملے گی، ورنہ ایسی عورت کی شادی اللہ تعالیٰ شہیدوں سے کر دے گا''۔ (کنز العمال، طبرانی)

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عورت کا جہاد یہی ہے کہ وہ بحیثیت بیوی اپنے فرائض کو بخوبی سرانجام دے۔ اسی طرح ایک مقولہ ہے کہ اگر کسی قوم کی ترقی و تمدن کا اندازہ لگانا ہو تو اس قوم کی خواتین (کی حالت اور مقام) کو دیکھو۔ اطاعت و خدمت ہی ایک ایسا پُراثر ہتھیار ہے جس کی مدد سے ایک عورت اپنے شوہر کے دل پر حکومت کر سکتی اور اسے قلبی مسرت و انبساط سے مالا مال کر سکتی ہے ؏ جو دلوں کو فتح کر لے، وہی فاتح زمانہ!

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پاک اس عورت کو محبوب رکھتے ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ محبت رکھنے والی، خوش مزاج اور دوسرے مرد سے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والی ہو۔'' (کنز العمال، ج ۱۶)(۲۱)

(ج) شکر گزاری و احسان مندی

حقوق الزوجین میں شکر گزاری اور احسان مندی بھی شامل ہیں۔ یہ دوسرے انسان کو خیر خواہی اور بھلائی کی جانب مائل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ ربّ العالمین جو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، نے بھی اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کو ان نعمتوں میں اضافے کا سبب بتایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷) ''اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا''۔ ﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرۃ:۱۵۲) ''اور میری شکر گزاری کرو اور میری ناشکری سے بچو''۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے دولت بھی ایک بڑی نعمت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے بے شمار محنت کرنی اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ انسان اپنے اور اہل خانہ کے آرام و آسائش اور ضروریات کے لیے مال و دولت کماتا ہے۔ وہ فطرتی طور پر یہ بھی چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرے تو وہ بھی احسان مند ہوں اور اس کا شکریہ ادا کریں۔ اگر

مناسب انداز میں شکریہ ادا کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسے روحانی سکون حاصل ہو اور اس کی طبیعت مزید خرچ کرنے پر مائل ہو۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو تو عین ممکن ہے کہ اس کی طبیعت فرض سے بڑھ کر مزید احسان کی طرف مائل ہی نہ ہو اور وہ روحانی اور ذہنی تسکین سے بھی محروم رہ جائے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر کسی نے کسی کے احسان کی قدر دانی نہیں کی تو اس نے گویا اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔''

گھر میں میاں بیوی کا معاملہ بھی اس طرح کا ہے۔ گھر کا خرچہ چلانے اور ضروریات پورا کرنے پر بھی میاں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر وہ کوئی گھریلو چیز یا تحفہ لائے تو اس وقت بجائے عیب نکالنے یا ناگواری کا اظہار کرنے کے بیوی کو شکریہ ادا کرنا چاہیے' اپنی رائے کا پھر کسی خوشگوار ماحول میں اظہار کیا جا سکتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے: ((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ)) (جامع الترمذی) ''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا۔''

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کچھ دیا اور اس نے ''جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا'' (اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ دے) کہہ دیا' تو گویا اس نے اس (دینے والے) کی خوب تعریف کر دی۔ (مشکوٰۃ شریف)

اکثر و بیشتر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں شوہروں سے شکایت پیدا ہوئی' کوئی طلب یا توقع فوری پوری نہیں ہوئی یا کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت آ گئی' تو فوراً بیوی کہہ دیتی ہے کہ مجھے تو اس گھر میں آرام سکھ ہی نہیں ملا اور نہ کسی نے میرا خیال کیا' ہمیشہ نوکر کی طرح لگی رہی اور میرا کچھ لحاظ بھی نہ ہوا' کوئی ضرورت بھی پوری نہیں ہوئی وغیرہ۔ عورت یہ نہیں سوچتی کہ وقتی اشتعال کے تحت ناشکری کے یہ جملے اس کے اعمال اور باہمی اعتماد کو برباد کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت شوہر کے بارے میں یہ کہے کہ میں نے تم میں کوئی بھلائی نہیں پائی تو اس کے اعمال (کے ثواب) ضائع ہو جاتے ہیں۔'' (جامع الصغیر)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو جہنم میں مردوں سے زیادہ دیکھا۔ پوچھنے پر وجہ معلوم ہوئی کہ **'تکفرن العشیر'** (شوہر کی ناشکری کرنے سے)۔ شکوہ شکایت کی وجہ کو کسی دوسرے بہتر موقع پر سنجیدگی سے دور کرنے کا سوچنا چاہیے۔ ایک اور مقام پر حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو ''عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے' حوریں اس سے کہتی ہیں تجھ پر خدا کی مار! اپنے شوہر کو اذیت نہ پہنچا' یہ مرد تیرے لیے نہیں' تو اس کے لائق نہیں' وہ جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہماری طرف آ جائے گا''۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسی عورت کی طرف نظر کرم نہیں فرماتا جو شوہر کی شکر گزار نہ ہو۔'' (نسائی' حاکم)

شوہر کی رضامندی اور خوشی کے حوالے سے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ عورت جنت میں جائے

گی‘‘۔ (ترمذی‘ بیہقی فی شعب الایمان‘ ج ۲)

شکر گزاری اور احسان مندی دراصل زوجین کے درمیان یک طرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ عمل ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾﴾ (الرحمٰن)

’’حسنِ سلوک کا بدلہ حسنِ سلوک کے سوا اور کیا ہے؟‘‘

قرآن پاک میں ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾﴾ (النساء)

’’اور ان (بیویوں) سے اچھے اور بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو‘ اگر وہ تمہیں (کسی وجہ سے) ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ)) (۲۲)

’’مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے‘ جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو اور (خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ)) (۲۳)

’’کوئی مسلمان شوہر اپنی مسلمان بیوی سے نفرت نہ کرے‘ اسے اگر اس کی ایک عادت پسند نہیں آتی تو دوسری اور عادتیں پسندیدہ ہوں گی۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ فرمانِ رسولؐ ہے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ، وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) (۲۴)

’’تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے‘ اور تم میں سے سب سے بہتر اپنے گھر والوں سے حسن سلوک کرنے والا میں خود ہوں۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) (۲۵)

’’مسلمانوں میں سے کامل اور مکمل ایمان والے وہ ہیں جن کا اخلاق سب سے اچھا ہے‘ اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرنے والے ہیں۔‘‘

حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ)) (۲۶)

’’لوگو سنو! عورتوں (بیویوں) کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کرنا‘ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔‘‘

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ((لَقَدْ طَافَ اللَّيْلَةَ بِآلِ مُحَمَّدٍ سَبْعُوْنَ امْرَأَةٍ، كُلُّ امْرَأَةٍ تَشْتَكِيْ زَوْجَهَا، فَلَا تَجِدُوْنَ اُولٰئِكَ خِيَارُكُمْ))(۲۷)
>
> ’’آج رات (حضرت) محمد (ﷺ) کے گھر والوں کے پاس ستّر عورتوں نے چکر لگایا ہے‘ ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی‘ جن کی شکایت آئی ہے تم انہیں اپنے میں سے اچھے لوگ نہیں پاؤ گے۔‘‘

شوہروں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بیوی اس کی ملکیت اور زرخرید لونڈی نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اسی کے نام پر مرد کے لیے حلال ٹھہرائی گئی ہے۔ شوہر کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ملک پر اسے ظلم وزیادتی کرنے اور اپنا غصہ اتارنے کا نہ کوئی حق ہے اور نہ ہی اس کی اجازت‘ اور روزِ قیامت اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جواب دینا ہوگا۔ بیوی کو تو ایک امانت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے خاوند کی حفاظت میں دیا ہے‘ اور دونوں کو ایک دوسرے کے لیے آرام وسکون اور باہمی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

> ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ﴾ (الروم: ۲۱)
>
> ’’اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں‘ تاکہ تم ان سے آرام پاؤ‘ اس نے تمہارے (زوجین کے) درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔‘‘

عورت کے چال چلن اور برتاؤ میں کچھ ایسی خامیاں ہو سکتی ہیں جو شوہر کے لیے ناگواری کا باعث ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی‘ ذہنی اور مزاج وطبیعت کے لحاظ سے دونوں کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عورت ذات میں بہت سی خوبیاں اور اچھائیاں بھی رکھی ہیں۔ اس کی شوہر ذات کو تلقین ہے کہ بیوی کی ناپسندیدہ عادات پر صبر کرے‘ ان کو اپنے دل میں پذیرائی نہ دے بلکہ اس کی اچھی صفات اور خوبیوں پر ہی نظر رکھتے ہوئے اس کی قدر کرے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’عورتوں سے حسنِ سلوک کرو‘ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر والا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ پس اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اگر اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھا ہی رہے گا۔ بس عورتوں سے اچھے سلوک کے بارے میں میری وصیت قبول کرو‘‘ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’عورتیں مَردوں کے دل پسند پھول ہیں‘ اس پھول کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے سخت ہاتھوں سے مسل کر برباد نہ کرو‘‘۔ (بیہقی)

خواتین کے ساتھ اور ان کے حوالے سے معاملات میں ہمیشہ ان احادیث کو مدِّنظر رکھنا چاہیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ (النساء: ۱۹) ’’اور گزران کرو عورتوں (بیویوں)

کے ساتھ اچھی طرح سے‘‘ اے مسلمانو! تمہارا پیدا کرنے والا رب تمہیں ہدایت کر رہا ہے کہ اپنی بیویوں سے اچھے سلوک اور بہتر برتاؤ کے ساتھ پیش آؤ۔ اب اللہ تعالیٰ کی سفارش کو جو رد کرتا ہے اس سے زیادہ نادان‘ کم فہم‘ ناشکرا اور جاہل‘ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مرد نہیں ہو سکتا۔

یہاں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کی سفارش فرمائی ہے۔ اگر کسی کو ایس پی‘ ڈی آئی جی یا کسی اعلیٰ حکمران شخصیت کی سفارش آئے کہ دیکھو تمہاری بیوی میری بیٹی کی سہیلی اور اس کی ہم جماعت ہے‘ اس کی طرف سے مجھے کوئی شکایت نہیں پہنچنی چاہیے۔ اس پر وہ آدمی گھر آکر کہے گا کہ دیکھو بیگم! کوئی تکلیف تو نہیں آپ کو‘ بس اپنا خیال رکھنا اور خدا کے لیے کسی کو کچھ نہ کہنا۔ ذرا سوچیے! اب اللہ تعالیٰ‘ جس سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں‘ اپنی بندیوں کے حقوق کے بارے میں سفارش فرما رہے ہیں: اے میرے بندو! تمہاری بیوی‘ جو میری بندی بھی ہے‘ اس کا ذرا خیال رکھنا اور اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔ اب اللہ تعالیٰ کی سفارش کو ٹھکرانے والوں کا حشر آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اس ضمن میں حضرت حکیم محمد اختر اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ وہ مرد نہایت بے غیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی سفارش کو ردّ کرتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے اپنی بیوی کو اتنا تنگ کرتا ہے کہ اس کا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور وہ اس رشتے پر پچھتاتی ہے۔ وہ مرد خصوصاً داڑھی والا نمازی جو تہجد تک قضا نہ کرتا ہو‘ جب وہ اپنی زوجہ کو ڈانٹتا‘ مارتا اور بے جا تکلیف دیتا ہے‘ تب اس کے دل میں یہی آتا ہے اور آہ نکلتی ہے کہ اس مرد سے اچھا تو وہ کوٹ پتلون والا ہے جو اپنی بیوی سے حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ کاش! یہ اس طرح کا داڑھی والا مجھے نہ ملا ہوتا۔ اپنے برے اخلاق کی بنا پر ہم اپنی داڑھیوں سے انہیں نفرت دلاتے ہیں‘ حالانکہ صالحین کی وضع اختیار کر کے اور نماز روزے کی پابندی کے بعد ہماری ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ اپنی بیوی سے اتنے اچھے طریقے اور اعلیٰ اخلاق سے پیش آنا چاہیے کہ وہ سارے خاندان والوں اور محلے والوں سے کہے کہ ارے! تم نے کسی اللہ والے‘ داڑھی والے سے شادی کی ہوتی۔ وہ ہر جگہ شوہر کے اخلاق اور داڑھی کا پرچار کرتی پھرے۔ بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنہوں نے اپنی بیوی کو ستایا اور ظلم و ستم کیا۔ وہ ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گھر میں حسنِ سلوک اور اعلیٰ اخلاق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!(۲۸)

شکر گزاری زوجین کے درمیان دو طرفہ عمل ہے۔ جس طرح بیوی کو شوہر کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے‘ اسی طرح شوہر کو بھی بیوی کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ اس کی خدمت اور راحت و تسکین کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس سوچ کا روحِ دین سے کوئی تعلق نہیں کہ بس بیوی ہی شکر گزار بنی رہے اور شوہر کو اس معاملے میں کچھ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اب ذرا عام زندگی میں دیکھیے کہ اگر کوئی ہم پر معمولی احسان کر دے یا ہمارا کوئی کام کر دے‘ تو ہماری زبان اس کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتی۔ لیکن زندگی کے ساتھی اور ہم سفر کے لیے شکریہ کا لفظ بولتے بھی ہماری زبان پر گویا تالا لگ جاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ﴿۱۵۲﴾﴾

(البقرة) ’’اور میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو‘‘۔ ناشکرا پن بھی گھریلو زندگی کو ناخوشگوار بنانے کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے: ’’جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا‘ وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا‘‘۔ (ترغیب‘ ج ۲) اس شکر گزاری کا جو اثر ہوگا‘ وہ شکر ادا کر کے ہی سمجھ آ سکتا ہے۔

بعض مرد قوامیت کے نشے میں بہک کر عورت کو اس کا متعینہ مقام و مرتبہ دینے کی بجائے پاؤں کی جوتی خیال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن جب کبھی ردعمل میں یہ جوتی تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق سر پر بجنا شروع کر دیتی ہے تو سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ گویا ہماری حرکتوں اور رویّوں سے ہی گھر میں جان کو جانّ بنتے ہوئے دیکھنے کے لیے بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا اور اس کے نتائج بھی پھر ہمارے بس میں نہیں رہتے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل‘ از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی‘ ج ۵‘ ص ۱۴۸ تا ۱۶۳‘ طبع ۱۹۹۸ء‘ مکتبہ لدھیانوی‘ بنوری ٹاؤن‘ کراچی

(۲) اخرجه احمد شاکر فی عمدة التفسیر (۱/۵۰۰) والبزار فی مسنده البحر الزخار(۱۵/۱۷۵) راوی : ابوهریرة رضی اللّٰهُ عَنهُ ـ

(۳) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع‘ ج ۲‘ ص ۳۹۸ تا ۳۹۹‘ طبع جدید ۲۰۱۵ء مکتبہ معارف القرآن‘ کراچی

(۴) مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء وما لكل واحدة من الحقوق۔ اخرجه ابن حبان (٤١٦٣) والطبرانی فی المعجم الاوسط (٤٧١٥)

(۵) سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة

(۶) تفسیر مظہری از حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی‘ ترجمہ متن از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری‘ ج ۲‘ ص ۳۵۱ تا ۳۵۲‘ بار چہارم‘ طبع ۲۰۱۰ء‘ ضیاء القرآن پبلی کیشنز‘ لاہور

(۷) حقوق الزوجین از سید ابوالاعلیٰ مودودی‘ ص ۲۸ ۔ دفتر ترجمان القرآن‘ دار الاسلام پٹھان کوٹ‘ (ضلع گورداسپور‘ انڈیا)

(۸) مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق۔ شعب الايمان للبيهقی (٤٤٢٩) المعجم الاوسط للطبرانی (٧٢١٢)

(۹) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع‘ ج ۲‘ ص ۳۹۸ تا ۳۹۹‘ طبع جدید‘ مکتبہ معارف القرآن‘ کراچی

(۱۰) مسند احمد : ١٥٣/١٦ (ح٨٣٣٨) واللفظ له، واخرجه مسلم (ح٢٦٥٧)

(۱۱) صحيح البخارى(ح١٤٦٢) واللفظ له، وصحيح مسلم (ح٨٠)

(۱۲) صالح بیوی (المرأة الصالحة) تالیف از مجلس علماء‘ جنوبی افریقہ‘ ص ۹۲ تا ۹۳‘ بار اول‘ طبع ۱۹۹۴ء‘ ادارہ علم القرآن‘ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

(۱۳) صحيح مسلم‘(ح١٢١٨)‘ سنن ابی داوٗد (ح١٩٠٥) راوی : جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه عنه)

(١٤) رواه ابن ابی شیبة فی "المصنف" (ح١٧٤٠٩)، وابوداوٗد الطیالسی فی "المسند" (٤٥٦/٣) والبیهقی فی "السنن الکبریٰ" (٢٩٢/٧)

(١٥) رواه الهیثمی فی "مجمع الزوائد" (٢٠٣/٣) واخرجه البخاری (٥١٩٢) ومسلم (١٠٢٦) باختلاف یسیر

(١٦) رواه البخاری (٣٢٣٧) واللفظ له، ومسلم (١٤٣٦) باختلاف یسیر

(١٧) مشکاة المصابیح' کتاب الامارة والقضاء۔ رواه البغوی فی "شرح السنة" (٢٤٥٥) راوی : النواس بن سمعان رضی الله عنه

(١٨) حقوق الزوجین' از سید ابوالاعلیٰ مودودی' ص ٢٨ تا ٢٩' طبع ۱۹۴۳ء۔ دفتر ترجمان القرآن' دار الاسلام پٹھان کوٹ' (ضلع گورداسپور' انڈیا)

(١٩) جامع الترمذی (١١٥٩)، سنن النسائی(٩١٤٧)

(٢٠) صحیح ابن حبان (٤١٧١) راوی : عبداللّٰہ بن ابی اوفیٰ

(٢١) شوہر کے حقوق اور بیوی کی ذمہ داریاں' از مولانا ہارون معاویہ' ص ٦٢ تا ٨٦' طبع اول ۲۰۰۹ء' بیت العلوم' انارکلی لاہور

(٢٢) سنن الترمذی (ح٢٦١٢)

(٢٣) صحیح مسلم' کتاب الرضاع' باب الوصیة بالنساء (ح ٢٦٧٢)

(٢٤) رواه الترمذی (٣٨٩٥) واللفظ له، والدارمی (٢٢٦٠)

(٢٥) رواه ابوداوٗد (٤٦٨٢)' والترمذی (١١٦٢)' واحمد (٤٧٢/٢)

(٢٦) سنن الترمذی (ح١١٦٣ و ٣٠٨٧) راوی : عمرو بن الاحوص رضی اللّٰہُ عَنہ

(٢٧) صحیح ابن ماجه (ح١٦٢٨) واللفظ له، ورواه ابوداوٗد (٢١٤٦) والنسائی (٩١٦٧) باختلاف یسیر۔

(٢٨) بیوی کے حقوق اور شوہر کی ذمہ داریاں از مولانا ہارون معاویہ' ب٢' ص ٥٨ تا ٥٩' طبع ۲۰۰۹ء' بیت العلوم پرانی انارکلی' لاہور

* * *

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ

(۱)

نام کتاب : ہدایت کی کرنیں

مصنف : حافظ محمد زاہد

ضخامت: ۳۲۸ صفحات قیمت: ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ خدام القرآن، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

''ہدایت کی کرنیں'' مصنف کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ میثاق اور دوسرے رسالوں میں چھپتے رہے۔ تمام مضمون ضروری اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہیں جن سے عام طور پر پابند صوم وصلوٰۃ مسلمان بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ مصنف اگرچہ نوجوان ہے مگر اس کا علمی مقام بزرگانہ، عالمانہ اور واعظانہ ہے۔ انداز تحریر ایسا دل پذیر ہے کہ پڑھتے وقت انسان اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، کیونکہ اس میں ایسی معلومات ملتی ہیں کہ جن کی ہر قاری ضرورت محسوس کرتا ہے۔

ہر مضمون کی جامعیت قابلِ تعریف ہے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ اگر نماز کے بارے میں لکھا ہے تو اس کے پڑھنے سے بزرگ نمازیوں کے لیے بھی اس میں راہ نمائی موجود ہے۔ روزے کا ذکر کیا ہے تو روزے کے نہ صرف ۱۰۰ مسائل بیان کیے ہیں بلکہ روزے کے فضائل اور آداب بھی بتائے ہیں۔ نومولود کے حقوق مصنف کا پہلا مضمون تھا جو اس کتاب میں شامل ہے۔ جامعیت کے اعتبار سے یہ مضمون قابلِ تعریف ہے کہ اس میں والدین کو ان ہمہ جہت فرائض سے آگاہ کیا گیا ہے جو بچے کی پیدائش پر ان پر لازم ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مختلف اذکار اور دعاؤں سے واقف ہو جن کا پڑھنا مسنون ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کے آداب پر سیر حاصل واقفیت دی گئی ہے۔ اس کتاب میں شامل چند ایک خصوصی اہمیت کے عملی اور تحقیقی مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں: مکاتیبِ نبویؐ کی دریافت، موافقات عمر اور اولیاتِ عمرؓ، حج بیت اللہ: شرائط اور ادائیگی کا طریقہ، تعلیمِ نسواں اور ہماری ذمہ داریاں، تحریک ختم نبوت کا تاریخی جائزہ، نماز کے آداب اور ہماری کوتاہیاں، صدقہ فطر، عید الفطر اور ماہِ شوال، اپریل فول اور ویلنٹائن ڈے کی بربادیاں، مصافحہ، معانقہ، تقبیل اور قیام، سلام کے فضائل وآداب، اسلام محنت کشوں کے حقوق کا ضامن، اسلام اور دیگر مذاہب میں مہر کا تصور۔

الغرض ایک مسلمان کی عملی زندگی میں پیش آنے والے تمام مواقع سے مسنون طریقے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس میں خاصی راہ نمائی موجود ہے۔ یہ کتاب نہ صرف ایک عام مسلمان کے لیے مفید ہے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے افراد کے لیے بھی یہ معلومات افزا ہے۔ تمام تحریریں معیاری اور مستند ہیں۔ تمام معلومات حوالہ جات کے ساتھ دی گئی ہیں۔ خوبصورت ٹائٹل‘ اغلاط سے امکانی حد تک مبرا کمپیوٹر کمپوزنگ اور عمدہ طباعت‘ کتاب کی اضافی خوبیاں ہیں۔ کتاب کی ضخامت کے اعتبار سے قیمت بہت مناسب ہے۔

مصنف اس کتاب کے علاوہ کئی دوسرے کتابچے بھی شائع کر چکا ہے جن میں نبی آخر الزمان ﷺ کا حلیہ مبارک‘ اعتکاف: قُربِ الٰہی کا خصوصی ذریعہ قابل ذکر ہیں۔ ’’مذاہبِ عالَم میں شادی بیاہ کی تعلیمات‘‘ ۲۷۲ صفحات پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

(۲)

نام کتاب : کرن کرن اُجالا

مؤلف : احمد علی محمودی

ضخامت: ۶۵ صفحات قیمت: 50 روپے

ناشر: ندائے ملت پبلی کیشنز‘ لاہور‘ رابطہ: 0305-8280905

ملنے کا پتا: مکتبہ معارف اسلامی‘ منصورہ‘ ملتان روڈ لاہور

یہ کتابچہ ۸۰ سے زیادہ عنوانات پر مختصر سی تحریروں پر مشتمل ہے۔ اس کی ہر تحریر سبق آموز ہے اور یہ کتابچہ بقامت کہتر وبقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ یوں یہ پند ونصائح کا انمول مرقع ہے۔ اتنے مختصر کتابچے میں علم وحکمت پر مبنی متعدد تحریریں دریا کو کوزے میں بند کرنے کی حقیقی مثال ہیں۔ بطور نمونہ اس کی ایک تحریر ملاحظہ ہو جس کا عنوان ہے ’’مقصد تخلیق‘‘۔ لکھتے ہیں: ’’موبائل فون کے بنانے والے نے اسے ایک خاص مقصد کے تحت بنایا ہے‘ او وہ مقصد ہے ایک دوسرے سے بات کرنا۔ اور اب اس کے ساتھ مختلف فنکشنز (functions) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب بھی کال آتی ہے تب سارے فنکشنز بند ہو کر کال کنیکٹ (connect) ہوتی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ بے جان آلہ اپنے تخلیق کے مقصد کو نہیں بھولا‘ اور ایک ہم ہیں کہ اپنے تخلیقی مقصد کو سرے سے ہی بھلا دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب اللہ کی جانب سے کال آئے تب ہم اپنے تمام دنیوی فنکشنز کو منقطع کر کے اللہ کی کال کنیکٹ کریں۔ کیا ہم ایسا کرتے ہیں؟‘‘

تمام تحریریں اسی طرح کی پُرتاثیر ہیں۔ الفاظ سادہ اور انداز تحریر دلکش ہے۔ پڑھنے والا چاہے گا کہ ایک ہی نشست میں مکمل پڑھ لے۔

قبل ازیں احمد علی محمودی صاحب اسی طرح مختصر تحریروں پر مشتمل ایک کتابچہ ’’حرف حرف روشنی‘‘ بھی شائع کر چکے ہیں‘ جو فی سبیل اللہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۳)

نام کتاب : تقریر ختم صحیح بخاری
مؤلف کا نام : مولانا محمد رمضان پھلپوٹو
صفحات: 119 قیمت:60روپے
ناشر: مدرسہ عربیہ مظہر العلوم حمادیہ کھوڑا، ضلع خیر پور میرس
ملنے کا پتا: مکتبہ مدینہ، اردو بازار لاہور اور مکتبہ حمادیہ، جامعہ حمادیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی

دینِ اسلام کے دو بنیادی مصادر ہیں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرا سُنّتِ رسول ﷺ۔ سنت رسول ﷺ پر مشتمل کتب میں صحیح بخاری کا مقام سب سے بلند ہے اور اسے قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب شمار کیا گیا ہے۔ مدارس اسلامیہ میں تعلیمی سال کے اختتام پر ختم بخاری کی تقریب کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کھوڑا، ضلع خیر پور میرس میں بھی ذی الحجہ۲۰۰۹ء میں یہ تقریب خاص اہتمام کے ساتھ منعقد ہوئی اور شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان پھلپوٹو صاحب نے اس تقریب میں صحیح بخاری کی آخری روایت پر عالمانہ اور ناصحانہ درس دیا۔

مولانا رمضان صاحب کی اس تقریر کو کیسٹ سے صفحات پر اتار کر ایک کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ کے حالات زندگی، شیوخ اور مقام و مرتبہ پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا رمضان صاحب نے اس تقریر میں سند کی اہمیت و ضرورت اور صحیح بخاری کی آخری روایت پر بھی سیر حاصل تحقیق پیش کی ہے۔

مجموعی اعتبار سے کتاب اپنے موضوع پر ایک عمدہ کاوش ہے اگرچہ اس میں طباعت، اسلوبِ بیان اور زبان کی کچھ اغلاط موجود ہیں مثلاً ص۶۳ پر ایک جگہ لکھا ہے کہ ''عقل اس کو تسلیم نہیں کرتا'' جبکہ درست عبارت یوں ہے ''عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی'' یا اسی صفحہ پر ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''امام بخاریؒ معتزلوں کا رد فرماتے ہیں'' جبکہ 'معتزلوں' کی جگہ 'معتزلہ' کا لفظ ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح یا صفحہ۷۴ پر لکھا ہے ''پہلے جتنی بھی امتیں تھیں انہیں سند نہیں تھی۔ حتیٰ آنکہ یہودیوں کو اپنی مقدس کتاب تورات کی، کوئی سند نہیں'' کی جگہ ''پہلے جتنی بھی امتیں تھیں، انہیں سند حاصل نہیں تھی حتیٰ کہ یہودیوں کی مقدس کتاب تورات کی کوئی سند نہیں''۔ علاوہ ازیں عربی حوالہ جات کے لیے نوری نستعلیق، اردو زبان کا فونٹ استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ عربی زبان کے اقتباسات اور حوالہ جات کے لیے عربی فونٹ ہی استعمال کرنا چاہیے تھا۔ بعض مقامات پر ایک دعویٰ کے اثبات میں غلو کا پہلو بھی نظر آیا ہے۔ امید ہے مولانا رمضان صاحب اگلے ایڈیشن میں ان کی اصلاح فرمائیں گے۔

(۴)

نام کتاب : افادات وملفوظات عزیزیہ
تحریر : محمد یونس عزیزی دہلوی ودیگر
باہتمام ونگرانی : شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت: 176 صفحات قیمت: درج نہیں
ملنے کا پتہ : القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

زیر تبصرہ کتاب شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کے افادات اور ملفوظات پر مشتمل ہے جسے محمد یونس عزیزی دہلوی اور دیگر کچھ اصحاب نے مرتب کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز راسخ العلم عالم تھے۔ وہ اس وقت سے تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے جب رائے ونڈ میں ابھی مرکز بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ ان کی تمام زندگی تبلیغی سرگرمیوں میں گزری۔ پہلے ہندوستان میں تھے، تقسیم کے کچھ عرصہ بعد پاکستان آ گئے۔ تبلیغ پر نکلنا اور واقف وناواقف کو دین کے کام میں لگ جانے کی پرخلوص کوشش ان کا مشن تھا۔

اس کتاب میں شاہ صاحب کے کچھ ملفوظات اور افادات جمع کر دیے گئے ہیں۔ ان کی گفتگو میں کمال کا تاثر تھا۔ ان کے بیان کردہ یہ چند جملے ان کی علمیت، بزرگی اور خلوص پر شاہد ہیں:

☆ صحیح بات یہ ہے کہ اگر مرید غریب ہو تو پیر کو چاہیے کہ مرید کو کچھ نہ کچھ دیتا رہے، اگر مالدار ہو تو پیر کو کچھ نہ کچھ دے۔
☆ وقت نہ شر ہے نہ خیر۔ کوئی نیک کام کر کے خیر کا وقت بنا لے اور کوئی گناہ کر کے شر بنا لے۔
☆ گناہ سے نفرت کرنا چاہیے۔ گناہگار پر شفقت اور رحم کرنا چاہیے۔
☆ پڑھنے سے علم آئے گا، صحبت سے عمل کی توفیق ملے گی۔
☆ علم بغیر عمل وبال ہے اور عمل بغیر علم کے ضلالت۔
☆ بے جا فہم اور کم فہم سے اتنا نقصان نہیں جتنا بدفہم اور کج فہم سے ضرر ہوتا ہے۔
☆ ہم عصر کو بہت سے کچھ نہیں سمجھتے گو وہ کتنی ہی صلاحیتوں کا مالک ہو۔
☆ کم تولنا ظلم ہے، پورا تولنا عدل ہے، زیادہ تولنا اکرام ہے۔
☆ دنیا کی چیزیں سایہ ہیں۔ اگر سایہ کے پیچھے آئیں گے تو نہ سایہ ہاتھ آئے گا نہ اصل ہاتھ آئے گا۔ اصل کو پکڑ لو تو سایہ خود بخود ساتھ چلا آئے گا۔
☆ خدا کی دی ہوئی نعمت کو جو اپنی مرضی سے استعمال کرے گا وہ بندہ نمک حرام ہے اور جو اللہ کے حکم کے

مطابق نعمت کو استعمال کرے گا وہ شکر گزار بندہ ہے۔

بعض مقامات پر کچھ مبالغہ آرائی بھی محسوس ہوتی ہے۔ کتاب کے صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے کہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے سو سال کی عمر میں نکاح کیا۔ حالانکہ ان کی کل عمر ۸۴ سال تھی۔

بہر حال نصیحت حاصل کرنے کے لیے ایک عمدہ کتاب ہے۔

(۵)

نام کتاب : قادیانیت کی تردید میں علمائے اہل حدیث کی تحریری خدمات

مصنف : عبدالرشید عراقی

ضخامت: ۹۶ صفحات

ناشر: سلیمان اکیڈمی، کمپیوٹر آرکیڈ، سلیمی چوک، فیصل آباد

کتاب ہٰذا کے مصنف عبدالرشید عراقی راسخ العقیدہ، توحید پرست، شخصیت ہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات پر مبنی کئی کتب کے مصنف ہیں۔ مرزا غلام احمد اسلامی سکالر اور مناظر تھا، جس نے اول مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور بعد ازاں نبی بن بیٹھا۔ وقت کے علماء اس کی تردید میں لگ گئے اور اسے کافر اور مرتد قرار دے دیا۔ جملہ اسلامی مسالک کے علماء جھوٹی نبوت کے خلاف یک زبان ہوگئے اور کئی بڑے بڑے احتجاج کیے۔ اس ضمن میں اہلِ حدیث علماء نے تقریری اور تحریری محاذوں پر مرزا قادیانی کو جھوٹا ثابت کیا۔

اس کتاب میں علمائے اہل حدیث کی درجنوں کتب کا ذکر ہے جو ردِ قادیانیت میں لکھی گئیں۔ اس ضمن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا کام سرفہرست ہے۔ وہ مرزا قادیانی کے ہم عصر اور بلند پایہ مناظر تھے۔ انہوں نے اپنے ٹھوس دلائل کے ذریعہ مرزا کو تقریری اور تحریری مناظروں میں شکست دی۔ ان کے کام کے عوض مولانا ثناء اللہ امرتسری کو فاتح قادیان قرار دیا گیا۔ اس سلسلے میں جن چند دیگر علمائے اہلحدیث کی خدمات کا ذکر ہے، ان میں مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا اسماعیل سلفی، حکیم عنایت اللہ سوہدروی، سید محمد نذیر حسین دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ظفر علی خان اور کئی دیگر علماء شامل ہیں۔

علماء اسلام کی یہ کوششیں رنگ لائیں اور ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو باضابطہ کافر قرار دے دیا۔

۞ ۞ ۞

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

MESSAGE OF THE QUR’AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah Al-An'am

(The Cattle)

(Recap of verses 42 – 55 of Surah Al-An'am and fresh exposition of verses 56 – 70 of the same Surah, inclusive)

Translator’s note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the ‘male’ as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur’an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur’an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today’s mind.

Recap of verses 42 – 55 (inclusive) of Surah 6, Al-An'am

- ***The subject matter of verses 42 through 45 is that prosperity in this world is not a reward but a respite from Allah (SWT).***

This section of the Surah (verses 42 through 45) alludes to the fact that the appointment of prophets *(AS)* and completing the argument (of Truth prevailing over all rivals) has been a process and a Divine way of treatment (The Sunnah of Allah *SWT*) in the length of history. So, the history of the past is an example for the coming generations.

Moreover, these 'difficulties' and 'trials' are in various cases a means to make human beings mature and ready to recognize, revere and worship Allah *(SWT)* and also a Divine system for managing the transgressors. Therefore, neither any welfare is a grace nor any difficulty is a wrath. At the time of calamities, the hands are raised up for supplication to Allah *(SWT)* and for asking His *(SWT)* help and bounty.

The verses also explain that, in fact, the unawareness and dissent of disbelievers is due to two reasons. Firstly, as a result of 'extravagance' in committing sin and persisting in disbelief, their hearts become dark and hardened, and their souls become inflexible and heedless to the Truth. The second factor is that by blindly following their desires, (particularly with regards to their animal instincts of relentless pursuit of sensuality), Satan makes their deeds seem decorous to them. So, they consider 'right' whatever 'wrong' they do, and count aright and correct every offence they commit. What follows is that the wrath of Allah *(SWT)* engulfs them.

Wellbeing, affluence and welfare in this worldly life may not always be a sign of mercy from Allah *(SWT)*. On the contrary, being duly warned is sometime the cause of chastisement, as mentioned in these verses. Giving respite to evildoers, and pleasant things and comfortable life to offenders, before abruptly replacing it with the opposite, is one of Allah's *(SWT)* way of treatment (The Sunnah of Allah *SWT*). The world and its bounties can both be a favour and a source of indignation and curse. It depends to whom they are given and the way they are used.

In these verses, the world has been counted as a divine blessing, yet at the same time the verses also brings forth the fact that the wrath of Allah *(SWT)* and death both happen suddenly. So, we should always be prepared for that and whatever worldly riches have been bestowed by Allah *(SWT)*, we should utilize those as per His *(SWT)* directions. The long and short of it is that the life in this world is a trial - a test - and whatever is sown here will be reaped in the Hereafter.

The verses also declare that the believers must show immense gratitude to Allah *(SWT)* for cutting off the roots of mischief and transgressions through destroying those who commit oppression and sin. At the same time it is mandatory for the believers to ask for Allah's *(SWT)* forgiveness pertaining to their own ways.

- ***The central theme of verses 46 through 50 is posited as an undeniable truth in the form of a query that who, other than Allah (SWT), can restore your hearing and sight if Allah takes them away? Also declared is the fact that the Messengers (AS) of Allah (SWT) never claimed that they know the unseen or that they were angels (AS).***

This section of the Surah (verses 46 through 50) addresses the pagans and questions that if Allah *(SWT)* were to take away His *(SWT)* blessings, such as the senses of hearing and sight, that are the tools for searching real enlightenment of the Truth, as well as the capacity to understand and accept that Truth, and finally set a 'seal on the hearts and rational faculty', thus leaving them unable to discern between right and wrong, and good and evil, then is there any deity, save Allah *(SWT)*, that can return these blessings? The answer is a big NO!

Although, the pagans of old did believe that the Creator and the Giver of sustenance is Allah *(SWT)*, but they also worshipped idols as the intercessors and partners with Him *(SWT)*. The verses continuing with the same line of argument tell the idol worshippers to see how Allah *(SWT)* had put forth the same Truth in various verses throughout the Holy Qur'an and had done so in many different contexts and forms for them, yet the disbelievers still turn away from the Truth. These verses clearly declare that Allah *(SWT)* is the One *(SWT)* and the Only *(SWT)* Authority Who *(SWT)* can chastise the evildoers through various forms of punishments and it is only Allah *(SWT)* Who *(SWT)* can withdraw all of His *(SWT)* blessings from the evildoers. Thus, idols have no function in this process and so there is no logic in seeking refuge in these false deities.

In this section of verses, Allah *(SWT)* also alludes to the station of His *(SWT)* messengers *(AS)* and tells us that not only the lifeless idols but also the great Prophets *(AS)* have no authority of their own *(AS)* to act and perform, save whatever Allah *(SWT)* has bestowed upon them *(AS)*. The mission of the messengers *(AS)* of Allah *(SWT)* is to bring to the people glad tidings, warnings, encouragement to do good, and the caution of torment if they do otherwise.

The verse then adds that the way to eternal felicity can be found in two things. Firstly, people ought to become sincere believers, and secondly they ought to follow the straight path and keep mending themselves by doing good deeds and avoiding evildoing, while repenting for their sins all the time. For such a people, there will be no fear of punishment or reprisal, nor shall they be made to grieve and pay for any sins that they had committed prior to sincere repentance.

The verses is this entire section of the Surah are a discourse on the absolute rejection of all the distorted notions that the pagans had embedded in their system of understanding regarding who and what a Prophet *(AS)* of Allah *(SWT)* is and what is the real reason for the lofty station of a Prophet *(AS)* of Allah *(SWT)*.

In a nutshell, all blessings that exist in this world and in the Hereafter are from Allah *(SWT)* alone and everything is His *(SWT)* creation and came into being with His *(SWT)* command. On the Day of Judgement, Allah *(SWT)* will reward those who followed His *(SWT)* commandments and punish those who disbelieved and disobeyed His *(SWT)* commandments revealed through His *(SWT)* Messengers *(AS)*, in this worldly life.

- ***Verses 51 through 55 elucidate that Allah* (SWT) *admonishes the unbelievers with the verses of Al-Quran and the granting of Real belief is a favour of Allah* (SWT) *to the believers, irrespective of their worldly status.***

This section of the Surah (Verses 51 through 55) commences by elucidating in detail that those who are too deeply immersed in the adornments of earthly life to think either of death or of their being brought to stand before Allah *(SWT)* for His *(SWT)* Judgement can hardly benefit from such admonitions. Even more so, such admonitions can have no wholesome effect on those who cherish the illusion that the cause of their attachment to some holy personage who will intercede on their behalf, they will come to no harm in the Hereafter. The same applies to those who believe that someone has already obtained their redemption by expiating their sins. The Prophet *(SAAW)* is therefore told to pay more attention and to attend to those who are conscious and have little or no false illusions, because such people are more likely to be impacted by admonitions and can be expected to reform themselves and become righteous and accept the Truth. However, it does not imply that others ought not to be called towards the Truth at all and left to themselves with their false notions, because the Qur'an is Allah's *(SWT)* final message and directed to the entire humankind.

The verses also refute the objections raised by the chiefs and the affluent members of the Quraysh that the Prophet *(SAAW)* had gathered around himself *(SAAW)* a host of slaves, clients *(mawali)* and others belonging to the lower strata of society by declaring that everyone is personally responsible for his deeds, whether good or bad. The chiefs and affluent members of the tribe of Quraysh used to scoff at the fact that men of such humble social standing as Bilal *(RA)*, Ammar *(RA)*, Suhayb *(RA)* and Khabbab *(RA)* had joined his *(SAAW)* ranks. They found it strange that why were they not the only chosen ones in the sight of Allah *(SWT)*! The Prophet *(SAAW)* is told that he *(SAAW)* will neither have to explain to Allah *(SWT)* the conduct of the converts *(RA)* nor will the disbelievers from the Quraysh be required to explain his *(SAAW)* conduct. They can neither usurp his *(SAAW)* good deeds, nor transfer their own misdeeds to his *(SAAW)* account. There is, therefore, no reason for the Prophet *(SAAW)* to alienate those who approach him *(SAAW)* as seekers after the Truth.

The crux of these verses is that by enabling the poor and the indigent, the people who have a low station in society to precede others in believing, Allah *(SWT)* has put those who wax proud of wealth and honour to a severe test. In other words, the bounty or wrath of Allah *(SWT)* is theirs to gain or lose!

Several of those who came to believe in the Prophet *(SAAW)* had committed many serious and grave sins before they embraced Islam. Even though their lives had altogether changed following their conversion, the opposition continued to play up the weaknesses and misdeeds of their past life. The Prophet *(SAAW)* is told in these verses to comfort such converts *(RA)* and to tell them that Allah *(SWT)* does not punish those who sincerely repent their sins and mend their ways.

However those who persist in denying the Truth and remain steadfast in disbelief and falsehood, in spite of a host of unmistakably clear signs and arguments, are evidently merely a bunch of thugs, criminals and perennial wrongdoers. If they persist in error and transgression it is neither due to the lack of strong arguments in support of the Truth nor, conversely, because of strong arguments in support of falsehood. The verses in this section of the Surah elucidate that the real reason is that that they had deliberately chosen to fall into error and transgression, and the torment prepared by Allah *(SWT)* that awaits them in this world and in the Hereafter, unless they mend their ways in this worldly life and become true believers.

==

Exposition of verses 56 - 70 of Surah Al-An'am

Verse 56

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ
اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

"Say, "Indeed, I have been forbidden to worship those whom you invoke besides Allah." Say, "I will not follow your desires, for I would then have gone astray, and I would not be of the [rightly] guided."

This verse manifestly espouses that the undue desires, from anybody that are issued, should be explicitly responded with a negative answer. The source of the Prophet's *(SAAW)* determination are Divine revelation. Acquaintance to all shades of infidelity to avoid such vain desires is a part of Islam. Polytheistic belief is the root of sensual desires. Thus, a preacher of the Faith ought not to follow to quench the people's desires, but he should act for the sake and pleasure of Allah *(SWT)* alone.

Verse 57

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ
خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

"Say, "Indeed, I am on clear evidence from my Lord, and you have denied it. I do not have that for which you are impatient. The decision is only for Allah. He relates the truth, and He is the best of deciders."

The Arabic term /bayyinah/ (clear proof), mentioned in the verse, is derived from /baynunah/ (separation). It is called so for the reason that it clearly and completely separates right from wrong. Pagans said that if it was true, then why the divine chastisement was not sent down upon them?

The proofs and miracles of prophets *(AS)* were neither full of complicated convolutions nor ambiguous. Everybody could understand them, and, if those people were not stubborn they would heartily accept them. That was why the divine prophets *(AS)* used to introduce themselves as Messengers *(AS)* of Allah *(SWT)* with some proofs.

Seeking for chastisement and hastening for the punishment of Allah *(SWT)* were found in other communities, too. The peoples of the Prophets Salih *(AS)*, Hud *(AS)*, and Noah *(AS)* also said that if the prophet *(AS)* of their time was true, he *(AS)* would bring the promised punishment upon them.

The verse clarifies that the proofs and signs brought by the Prophets *(AS)* originated from the Will of Allah *(SWT)* alone. They might not work according to what people demand every day.

This verse, in fact, provides the answer to the reasons for the punishment of Allah *(SWT)*. The adversaries questioned why it was that they had openly rejected a Prophet *(AS)* sent by Allah *(SWT)*, but they had not been struck down by Allah's *(SWT)* wrath? They said that the fact of his *(SAAW)* appointment by Allah *(SWT)* meant that anyone who either disbelieved or insulted him *(SAAW)* would, at once, be either plunged into the earth or struck by lightning. And yet, they pointed out, the Messenger *(SAAW)* of Allah *(SWT)* and his followers *(RA)* kept facing sufferings and humiliations, whereas those who abused and persecuted him *(SAAW)* enjoyed prosperity. In a nutshell, this verse provides adequate answer to their incorrect reasoning regarding the Wrath of Allah *(SWT)* promised for the unbelievers.

Verse 58

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۸

"Say, "If I had that for which you are impatient, the matter would have been decided between me and you, but Allah is most knowing of the wrongdoers."

This verse further elaborates that all kinds of retributions are with Allah *(SWT)*. He *(SWT)* gives respite to the unjust according to His *(SWT)* Own Knowledge and Wisdom and *His* (SWT) plan.

Respite in receiving Allah's *(SWT)* Wrath should not make the pagans to think that their infidelity has been neglected.

It is intimated that Allah *(SWT)* knows the transgressors and it is up to Him *(SWT)* to when to punish them.

Verse 59

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا
حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٩

"And with Him are the keys of the unseen; none knows them except Him. And He knows what is on the land and in the sea. Not a leaf falls but that He knows it. And no grain is there within the darknesses of the earth and no moist or dry [thing] but that it is [written] in a clear record."

In the former verses, the words were about Allah's *(SWT)* Knowledge, Power, and the expansion of the circle of His *(SWT)* commandment. From this verse onward, the meaning stated in those verses concisely has been mentioned with some explanation.

The Arabic term /barr/ means 'a vast place', which is usually used for a (dry) land. The term /bahr/ originally also means 'a vast place' where a plenty of water is found. It is often applied for the seas and, sometimes, for the great streams.

Allah's *(SWT)* knowledge encompasses whatever exists in the land and the seas. This is the proof that Allah *(SWT)* is Omniscient.

He *(SWT)* knows the movements of millions of living creatures, small and big, on the land and in the depths of the seas. And He *(SWT)* knows all thoughts and contemplations that pass through different parts and levels of our minds and those which penetrate into the depths of our souls.

The fall of the leaves of trees, in fact, is the moment of their death, and the fall of seeds into the concealed holes of the land is the first step of their lives. It is only He *(SWT)* Who *(SWT)* is aware of the system of death and life.

The statement of this subject has two effects: a philosophical effect and a training effect. Its philosophical effect is that it nullifies the imagination of those (Editor's Note*: proponents of which were mainly the Greek philosophers)* who restrict Allah's *(SWT)* knowledge to general principles and believe that He *(SWT)* is not aware of the details of this world. It clearly specifies that Allah *(SWT)* is aware of both all general principles and the details. He *(SWT)* is The Omniscient *(SWT)*!

Its training effect is also clear, because having belief in the Infinite Knowledge of Allah *(SWT)*, that He *(SWT)* is Omniscient, tells us that the whole secrets of our entity, our deeds and speeches, our intentions and our thoughts are utterly clear for His *(SWT)* Pure Essence (Invariable Nature).

With such a belief, how is it possible that a person be careless of his own condition and does not control his own deeds, speech, and the intentions?

Therefore, the end of the verse further elaborates Allah's *(SWT)* Knowledge of all things by referring to a record of all things of the past, present and future (in a Clear Book).

Verse 60

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۟﴿۶۰﴾

"And it is He who takes your souls by night and knows what you have committed by day. Then He revives you therein [i.e., by day] that a specified term may be fulfilled. Then to Him will be your return; then He will inform you about what you used to do."

The verse states that by night, Allah *(SWT)* takes activity out of your soul the same as He *(SWT)* takes it by death. He *(SWT)* is also aware of what you do during the day. During the night you sleep, and during the day you perform some activities. Then, Allah *(SWT)* will raise you up from your graves so that He *(SWT)* reckons you for what you spend your lives upon.

It is so until the appointed time comes forth, which Allah *(SWT)* has assigned for raising the dead from their graves and giving them the fruit of their deeds. This is the Hereafter. Thus, your return is unto Him *(SWT)*. That is, you will attend where you will be reckoned. On that Day, the Lord *(SWT)* will inform you of the deeds you used to accomplish in the world, day and night.

Some commentators have rendered this part of the verse into the sense that He *(SWT)* awakens you from sleep during the day in order that you gain sufficient interest from your life. In this verse, Allah

(SWT) has resembled awakening people from sleep to raising them up after death. What follows is that sleep too is a kind of 'death'.

Verse 61

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾

"And He is the subjugator over His servants, and He sends over you guardian-angels until, death comes to one of you, Our messengers [i.e., angels of death] take his soul, and they do not fail [in their duties]."

In this verse, in order to emphasize on Allah's *(SWT)* 'scientific' conversance with the deeds of the servants and that He *(SWT)* keeps their account minutely to be dealt with on the Resurrection Day, referring to the angels *(AS)* who keep watch and maintain a record of everything done by humans from life till death, i.e. all their movements, deeds and so on.. The verse then goes on to state that this account keeping continues until the ending moments of life, when death approaches. At this time, these messengers of Allah *(SWT)* (the angels *AS*), who are missioned to take the souls of humans, take the soul away [although, Allah *(SWT)* does not need angels *(AS)* as 'recorders of deeds' or 'takers of souls', as He *(SWT)* is Omniscient and Omnipotent).

At the end of the verse, it is elaborated that these angels *(AS)* never neglect their duty and there is neither any shortcoming nor any defect in the duties that they perform. They take the soul of a person neither a moment sooner nor a moment later that what has been ordained by Allah *(SWT)*.

Verse 62

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

"Then they [i.e., His servants] are returned to Allah, their true Lord. Unquestionably, His is the judgement, and He is the swiftest in taking account."

The verse refers to events after the death of people, when they are taken towards the divine Judgment and Allah's *(SWT)* reward or punishment. The Lord *(SWT)* is their Owner, their Master and The Guardian of their affairs. He *(SWT)* is the Judge, Who *(SWT)* does not judge but in truth and justice. On That Day, the command is only His *(SWT)* command, not that of other than His *(SWT)*.

Allah *(SWT)* will reckon all humankind in a short time and neither of the accounts hinder Him *(SWT)* to reckon the rest. The return of all is unto Him *(SWT)*, and He *(SWT)* is the only Judge *(SWT)* in the Hereafter.

The real master is the One *(SWT)* in Whose *(SWT)* Divine and All-encompassing Authority is Creation, Guardianship, Sleep and Wakefulness, Death and Raising up, Judgment and the Reckoning, and He *(SWT)* is the one and the only Lord *(SWT)*.

In must be noted that the fright of the Hereafter is the fear from our own offences and Allah *(SWT)* is both the Guardian, the Rightful, and the Embodiment of Divine Mercy and Virtue.

Verses 63 and 64

Verse 63

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

"Say, "Who rescues you from the darknesses of the land and sea [when] you call upon Him imploring [aloud] and privately, 'If He should save us from this [crisis], we will surely be among the thankful.' "

Verse 64

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

"Say, "It is Allah who saves you from it and from every distress; then you [still] associate others with Him."

Verses 63 and 64 of the Surah have to be elucidated in unison in order to comprehend the meaning fully and delve into the Qur'anic concept of 'The Light that Glitters in the Darkness'.

Verse 63 starts by taking the hand of pagans and leading them 'inside' their innate disposition, and in that mysterious place it shows them the light of the Unity of Godhead and the monotheism.

The verse then commands the Holy Prophet *(SAAW)* to question them as to who delivers them from the darkness of the land and the sea. Darkness has sometimes a substantial aspect and sometimes a spiritual aspect. The substantial aspect of darkness is when the light ceases utterly, or it becomes so weak that one cannot see anywhere or he sees with difficulty.

The spiritual aspect of darkness is their hardships, entanglements, disturbances and pollutions, whose end is both dark and ambiguous.

If this darkness combines with some terrible incidents, for example, in a voyage by night, a person is surrounded by awful waves in a whirlpool, its horror is of a higher degree than that of difficulties that come forth in daytime.

It is in these moments that one delivers everything to forgetfulness and does not care of anything except himself and the light, which glitters the depth of his soul, invites him to a source wherein only He *(SWT)* can solve such problems.

These kinds of cases, which happen for everybody, are some windows to the Unity of Godhead and the monotheism. And, it is in this condition that immediately you make a covenant with that great source, promising that if He *(SWT)* delivers you from the danger, you will certainly be grateful of His *(SWT)* infinite blessings and will rely on none but Him *(SWT)*.

The verse then commands the Holy Prophet *(SAAW)* to tell them that Allah *(SWT)* will deliver them from these darknesses and from any other sorrow, as He *(SWT)* has delivered them frequently, but, after deliverance, they pave again the path of polytheism and paganism.

The verses 63 and 64 elucidate that it is Allah *(SWT)* alone Who *(SWT)* possesses the ultimate Power and Authority over all things. He *(SWT)* has full control over all things. He *(SWT)* has full control over what causes harm or the benefit to an individual. The reins of the destiny of the man are in His *(SWT)* control. Man is fully dependent on Him *(SWT)* for all of his needs. In dire need when his resources fail him, instinctively he turns to Allah *(SWT)* for help.

In spite of such a clear sign, (most) people end up being ungrateful to Allah *(SWT)* and set up partners to Allah *(SWT)* without any shred of evidence that anyone other than Allah *(SWT)* has any share in His *(SWT)* power and authority.

Verses 65 and 66

Verse 65

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ
بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

"Say, "He is the [one] Able to send upon you affliction from above you or from beneath your feet or to confuse you [so you become] sects and make you taste the violence of one another." Look how We diversify the signs that they might understand."

Verse 66

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ؕ

"But your people have denied it while it is the truth. Say, "I am not over you a guardian [i.e., authority]."

Verses 65 and 66 of the Surah have to be expounded in unanimity in order to comprehend the meaning fully and delve into the Qur'anic concept of 'Various Chastisements' by Allah (SWT).

In order to state the different ways of training, these verses have laid emphasis on the subject of threat of the divine punishment. Clearly speaking, as Allah *(SWT)* is the most Merciful of all merciful ones, and the Protector of those who are without support, He *(SWT)* is also the Supreme and the Avenger against tyrants and rebellious ones.

In verse 65, the Prophet *(SAAW)* has been ordered to threaten the sinners with three sorts of punishments. The chastisements which come from above and from beneath, the chastisement of dispute and the chastisement of fight and blood shedding.

Thus, it commands the Prophet *(SAAW)* to say that Allah *(SWT)* is able to send retributions on them from above, like the punishment of baked and marked stones upon the people of L'ut *(AS)* *[Ref: Surah Adh-Dhariyat, Verse 33]*, the stones over the People of the Elephant, Flood of Noah *(AS)*, the Cry upon the People of Tham'ud, and the Wind against the People of A'ad, to mention a few. And, today, there may be some other form of retribution, too, like nuclear bombs, chemical and biological weapons, and long range missiles of various kinds.

And, from the downwards, there are earthquake, splitting or depressing of the land, the Pharaoh being drowned, Qaroon (Croesus) sank into the ground, cholera, plague, famine, hunger, which are imposed on people.

Moreover, He *(SWT)* may divide you in to separate groups to dispute with each other, and you taste the bitterness of fighting one another. The phenomenon of dispute and contradiction in speech among a society is so dangerous that it has been counted in the row of heavenly punishments, such as, thunders and earthquakes. Sometimes the destruction caused by division and dispute is more disastrous as compared to that by the thunders and the earthquakes. That phenomenon can easily be observed in today's world among various peoples and nations of the Muslim World! It has repeatedly happened in the history of the world that some developed countries have completely been ruined under the inauspicious shade of hypocrisy and disunity. This phrase is counted a warning unto the whole Muslims in the world.

At the end of verse 65, in order that they may realize the Truth and return to it, it is added that these repeated signs from Allah *(SWT)* are for people so that they may understand and repent for their individual and collective sins.

In a nutshell, verse 65 declares that Allah's *(SWT)* punishment can strike in an instant. This is a warning to those who, supposing such punishment to be remote, grow bolder in their hostility towards the Truth. They could be destroyed in a moment by a hurricane. Just a few tremors of earthquake could raze villages and cities to the ground.

Likewise, a few sparks of hostility could ultimately wreak such havoc among tribes, nations and countries that bloodshed and lawlessness plague them for years on end. Hence if they are spared punishments for a while that should not drug them to heedlessness and lead them to live in total disregard of distinction between right and wrong. They should rather he grateful that Allah *(SWT)* had given them respite and by means of a number of signs He *(SWT)* was making it possible for them to recognize the Truth and follow it.

Verse 66 of the Surah completes the discussion stated in the previous verses about the invitation to Monotheism, Resurrection, and the Truth of Islam and being afraid of the Divine punishment.

The start of verse 66, addressing the Holy Prophet *(SAAW)*, indicates that his *(SAAW)* people, viz. Quraysh and the pagans of Makkah, belied his *(SAAW)* teachings, despite the fact that all of these teachings are true and revealed unambiguously by Allah *(SWT)*. Moreover, different evidences, accepted through intellect and innate disposition confirm them.

Therefore, their rejection and denial does not decrease the importance of these facts, regardless of the fact that the number of opponents and deniers may be large.

Verse 66 then continues the statement implying that it is the duty of the Prophet *(SAAW)* to communicate the Truth and he *(SAAW)* is not responsible that they denied it.

The crux of verse 66 is that a Prophet *(AS)* is neither required to compel people to see what they are not prepared to see nor to force into their hearts what they fail to comprehend. It is not a Prophet's *(AS)* task to chastise people for failing to see and comprehend the Truth. His *(AS)* task is merely to proclaim Truth as distinct from falsehood. If people fail thereafter to accept it, they will be overwhelmed by the very misfortunes against which that Prophet *(AS)* had warned.

Verse 67

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

"For every news [i.e., happening] is a finality; and you are going to know."

In this verse, through a short but expressive phrase, the Qur'an warns people and invites them to choose the right path. It announces that whatever news that Allah *(SWT)* or the Prophet *(SAAW)* inform people, there is finally a term for it, and it will be accomplished at its appointed time, which they will know soon (when they see it happen).

By giving people the proper news of The Truth, Allah *(SWT)* and the Messenger of Allah *(SAAW)* introduce the right path to them.

Verse 68

وَاِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۸﴾

"And when you see those who engage in [offensive] discourse concerning Our verses, then turn away from them until they enter into another conversation. And if Satan should cause you to forget, then do not remain after the reminder with the wrongdoing people."

It must be noted that since most of the verses of this Surah *(Al-An'am)* are about the circumstances of the pagans and the idol-worshippers, the discourse in this verse is directed to the affairs concerning them.

The verse commences by telling the Holy Prophet *(SAAW)* that when he *(SAAW)* sees that the arrogant, illogical opponents are mocking the Signs of Allah *(SWT)*, he *(SAAW)* ought to turn away from them so that they give up the subject and become busy with another topic.

The verse then adds that this matter is so important that if Satan causes you *(SAAW)* to forget and you *(SAAW)* sit with such persons unintentionally, as soon as you *(SAAW)* remember it, you *(SAAW)* should leave that meeting and do not sit with these unjust people.

Many Christian apologists have raised the question regarding the apparent content of this verse by arguing that it 'testifies' that it is possible for Satan to influence the Holy Prophet *(SAAW)* and cause him *(SAAW)* to forget his *(SAAW)* divine duty. The truth is that while the 'direct addressee' in this verse is the Holy Prophet *(SAAW)*, the 'intended addressees' are, in fact, the followers of the Holy Prophet *(SAAW)*, i.e. his *(SAAW)* Companions *(RA)* and all future Muslims to come until The Hour. What the verse actually means is that if they are entangled with forgetfulness and they take part in pagans' sinful meetings, they should come out of that meeting and leave the place as soon as they remember it. The like of this status and literary tone occurs in our daily conversations and in the literature of different languages, that, in speech, one person is addressed but the aim is that others hear that statement.

Therefore, in case the Muslims fail to remember this directive and mistakenly continue to remain in the company of those who are involved in the evil and satanic act of making fun of their faith, they should withdraw from such company as soon as they remember this directive.

Verse 69

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

"And those who fear Allah are not held accountable for them [i.e., the disbelievers] at all, but [only for] a reminder – that perhaps they will fear Him."

When the previous verse of prohibition upon the vain speakers and mockers of the Divine revelations was revealed, some believers said that they would not go to the Sacred Mosque and would not circumambulate the Ka'bah, since the range of their mockery had stretched as far as there. This verse dispels that misunderstanding and mistaken notion.

In fact, participation in the meeting of sinners is allowed if it is with the intention of refraining them from wrong and guiding them to the right. Of course, this exception is only for those believers who are pious and firm in belief, since there are some Muslims who go to save others but they themselves drown.

Thinking and realizing the situation, in fact, is one of the foundations of Islam and that of rational intellect. Hearing the absurd sayings of people about Islam with the purpose of answering them in order to save those deviated people permanently from the Hellfire is not only allowed but is rather encouraged in the *Deen* of Islam. However the condition for those embarking on that mission is piety and firm faith as these are means of protection for man against committing sins. These are like the gear used by fire-fighters for protection from the fire.

In a nutshell, this verse elucidates that those who avoid disobedience to Allah *(SWT)* will not be held responsible for the errors of those who disobey. This being the case, the former have no justification for taking it upon themselves to persuade the latter to obedience or to consider themselves obliged to answer all their questions, however absurd and flimsy, until the Truth is forced down their throats. Their duty is merely to admonish and place the Truth before those whom they find stumbling about in error. If there is no response to this call except remonstration and obstinate argument they are under no obligation to waste their time and energy on them. They should rather devote their time and energy to instructing and admonishing those who have an urge to seek out the Truth. *[The provision of this verse was abrogated by the verse 140 of the 4th Surah of the Qur'an, An-Nisa (4:140)]*

Verse 70

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ
لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا
كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۧ

"And leave those who take their religion as amusement and diversion and whom the worldly life has deluded. But remind with it [i.e., the Qur'an], lest a soul be given up to destruction for what it earned; it will have other than Allah no protector and no intercessor. And if it should offer every compensation, it would not be taken from it [i.e., that soul]. Those are the ones who are given to destruction for what they have earned. For them will be a drink of scalding water and a painful punishment because they used to disbelieve."

This lengthy verse has a simple and easily understandable message.

The purpose of the phrase 'leave those who...' used in the verse refers to 'hating their evil intentions, and not having any communication with them until they are prepared to listen to the Truth', which sometimes ends with fighting against them. Thus, the phrase does not mean abandoning the Holy Struggle against them.

The manner of taking religion for a play has different forms in different circumstances. It may be in the form of **(i)** superstitious beliefs, or **(ii)** religious laws are considered impracticable, or **(iii)** sins are justified, or **(iv)** innovations are made in Islamic practice, or **(v)** interpretation of the Qur'an by personal opinion, and last but not the least, **(vi)** trying to delve frivolously into the allegorical verses to follow them. The verse, however, makes it abundantly clear that Faith has no consistency with laziness, flattery, and playing with ideology.

Moreover, the verse also clarifies that many a time admonishment is a means to being saved from the wrath and punishment of Allah *(SWT)*. When one reflects on the causes of his misfortunes, he certainly finds that the reason is his own self and is own deeds.

The verse end by declaring that those who do not mend their ways in this worldly life, do not stop following Satan and keep declining the Truth of Islam, would face a painful chastisements in the Hereafter, part of which would be that their beings would be burnt from the inside by boiling water that they would be forced to drink and from the outside by the Hellfire. There would be no Intercessor on their behalf to save them from the torment of the Hellfire!

==

And Allah *(SWT)* Knows Best!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ”شعبہ تحقیق اسلامی“ (IRTS) کے زیر انتظام ابلاغِ عامہ وافادۂ عام کی ویب سائٹس

- www.tanzeemdigitallibrary.com بانیٔ تنظیم وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس، خطابات وتصنیفات کا جملہ تحریری مواد یونی کوڈ کے سرچ ایبل فارمیٹ (Unicode searchable format) میں دستیاب ہے۔

- www.giveupriba.com انسدادِ سود کی کوششوں کے ضمن میں جملہ معلومات، تاریخی پس منظر، عدالتی فیصلے، قرآن وسنت کے حوالہ جات، معروف تفاسیر کے اقتباسات اور شرق وغرب کے نامور مفکرین کے اقوال وتحریرات اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

- www.hafizahmedyar.com پروفیسر حافظ احمد یارؒ (سابق مدرس پنجاب یونیورسٹی وقرآن اکیڈمی لاہور) کا علمی خزانہ، قرآن مجید کی صرفی ونحوی ترکیب، بلاغتِ قرآن وآڈیو تفسیرِ قرآن اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

Quarterly HIKMAT-E-QURAN Lahore
July - Sep 2019 Vol. 38 No. 3

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاھور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ